اور ہماری کوئی بات بھی نہ پوچھے ۔ کسی کا شعر ہے۔

ے ساقی نہ دے جو جام سے لالہ فام کے ‌‌ بیٹھا تو پینے دے ہمیں دیک جام کے

ے درخور اگر نسیم سے لالہ فام را ‌‌ اے کاش ترکنند بہ بوے مشام را

خستگی کا تم سے کیا شکوہ کہ یہ ‌‌ ہتھکنڈے ہیں چرخ نیلی فام کے

ہم اپنے رنج و غم اور دل ٹوٹنے کی بابت آپ ہی سے کیا شکایت کریں ۔ یہ سب آسمان کے ہتھکنڈے ہیں کہ وہ نئی نئی صورتیں ظلم و ستم کی نکالتا ہے ۔ اور نہیں تمھارے ہی ہاتھ سے رنج دلا دیا ۔ در اصل تمھارا کچھ قصور نہیں ہے ۔

ے تیری وفا سے کیا ہو تلافی کہ دہر میں ‌‌ تیرے سوا بھی ہم پہ بہت سے ستم ہوئے

خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو ‌‌ ہم تو عاشق ہیں تمھارے نام کے

یعنی یہ ضروری نہیں ہے کہ کچھ مطلب ہی ہو تب تمھیں خط لکھیں تمہیں کچھ مطلب ہو یا نہ ہو خط ضرور لکھیں گے کیونکہ ہم تو محض تمھارے نام کے عاشق ہیں اسمیں اور نہیں تمھارے نام کی مشق تو ہوتی ہے ۔

رات پی زمزم پہ مے اور صبحدم ‌‌ دھوئے دھبّے جامۂ احرام کے

یعنی رات کو شراب پی زمزم پر بیٹھ کر ۔ اور صبح کو توبہ کر کے اسی کے پانی سے جامۂ احرام کے دھبّے دھوئے ۔ سہ خوب پی رات کو تھے صبح کو توبہ کر لی ؛ رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

دل کو آنکھوں نے پھنسایا کیا مگر ‌‌ یہ بھی حلقے ہیں تمھارے دام کے

میرے دل کو میری آنکھوں نے تمھارے عشق کے جال میں پھنسایا ۔ غالباً یہ میری آنکھیں نہیں تمھارے دام حسن کے حلقے تھے ۔

شاہ کی ہے غسل صحت کی خبر ‌‌ دیکھیے کب دن پھریں حمام کے

بادشاہ کے غسل صحت کی خبر اُڑی ہوئی ہے ۔ دیکھیے کب حضور غسل صحت فرماتے ہیں اور

حمام کے اچھے دن کب آتے ہیں ۔

عشق نے غالب نکما کر دیا ‌‌ ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

اے غالب ہمکو عشق نے بیکار کر دیا ورنہ ہم بھی کام کے آدمی تھے ۔

پھر اس انداز سے بہار آئی ‌‌ کہ ہوئے مہر و مہ تماشائی

یہ غزل نہایت ہی صاف کہی گئی ہے ۔ یعنی پھر اس انداز سے بہار آئی ہے کہ آفتاب و ماہتاب تک تماشا دیکھ رہے ہیں ۔

دیکھو اے ساکنانِ خطۂ خاک ‌‌ اسکو کہتے ہیں عالم آرائی

اے زمین کے رہنے والو دیکھو عالم آرائی اسکا نام ہے ۔

کہ زمیں ہو گئی ہے سر تا سر ‌‌ روکشِ سطحِ چرخِ مینائی

کہ تمام آسماں کو مات کر رہی ہے بلحاظ سبزی کے ۔ یا بہ لحاظ اس بات کے کہ بہار نے اسکا مرتبہ بلند کر دیا ہے ۔

سبزہ کو جب کہیں جگہ نہ ملی ‌‌ بن گیا روئے آب پر کائی

سبزہ کی یہ کثرت ہے کہ جب زمیں پر اسکو جگہ نہ ملی تو کائی کی صورت میں پانی پر جم گیا

سبزہ و گل کے دیکھنے کے لئے ‌‌ چشم نرگس کو دی ہے بینائی

صرف سبزہ و گل کے نظارہ کے لئے نرگس کی آنکھ کو بینا کر دیا ہے ۔

ہے ہوا میں شراب کی تاثیر ‌‌ بادہ نوشی ہے بادپیمائی

جب موسم نے ہوا میں شراب کی تاثیر پیدا کر دی ہے تو شراب پینا بالکل فضول ہے ۔

کیوں نہ دنیا کو ہو خوشی غالبؔ — شاہ دیندار نے شفا پائی

یہ خوشی کا عالم بیوجہ نہیں ہو بلکہ ایسا ہونا چاہیے کیونکہ بادشاہ قبلہ عالم نے صحت پائی

تغافل دوست ہوں میرا دماغ عجز عالی ہے — اگر پہلو تہی کیجے تو جا میری بھی خالی ہے

میں تغافل کو دوست رکھتا ہوں۔ میرا دماغ عجز یہانتک بلند ہو کہ اگر مجھ سے آپ پہلو تہی کریں تو میں اس پہلو تہی کو سمجھوں کہ آپ نے میرے لیے جگہ خالی کی۔ فارسی میں یوں کہا ہے

درآغوش تغافل عرض یکرنگی توان دادن — تہی تا میکنی پہلو بہ بینم وصل آن دارد

رہا آباد عالم اہل ہمت کے نہ ہونے سے — بھرے ہیں جسقدر جام و سبو میخانہ خالی ہے

اگرچہ دنیا آباد ہے مگر اہل ہمت اس میں نہیں ہیں گویا یہ ایک میخانہ ہے جسمیں شراب نہیں ہے جام و سبو بھرے پڑے ہیں۔

دوسرے یہ کہ اہل ہمت کا نہ ہونا دنیا کے آباد رہنے کا سبب ہے کیونکہ اگر دنیا میں سب اہل ہمت ہی ہوتے تو وہ سب دنیا کو ترک کرکے بیٹھ رہتے اور دنیا ویران ہو جاتی۔ جسقدر جام بھرے ہیں میخانہ میں شراب نہیں ہے جسقدر کے لفظ سے مصنف نے یہ بھی فائدہ اٹھایا ہے کہ جسقدر جام و سبو زیادہ ہوں گے میخانہ کے خالی کی دلیل ہے اس سے میخانہ کی شان گھٹتی جائیگی اور کمہار کے گھر کی خالی پیدا ہوتی جائیگی یعنی بجائے جام و سبو کے بھی شراب ہی ہوتی اگر جام و سبو نہ ہوتے یا یہ کہ اہل ہمت کے نہ ہونے سے دنیا آباد ہے کہ جام و سبو کو جسقدر بھر بھر کر دینگے میخانہ خالی ہوتا جائیگا یعنی یہ لوگ اگر میخانہ دنیا میں ہوتے تو دنیا کو لٹا دیتے اور ان کا جود و کرم دنیا کو آباد نہ رہنے دیتا۔

کب وہ سنتا ہے کہانی میری — اور پھر وہ بھی زبانی میری

میری کہانی اول تو وہ سنتا ہی کب ہو۔ اور اگر سنے بھی تو کیا میری زبانی سنے گا جو تشنہ پتہ دیتا ہے سکہ پہلے مصنف نے مصرعہ اولے کہا ہے

خلش غمزۂ خونریز نہ پوچھ — دیکھ خونابہ فشانی میری

یہ کیوں پوچھتا ہے کہ تیرے غمزہ ہائے خونریز نے تیرے ساتھ کیا بدسلوکی کی صرف یہ دیکھ لے کہ میری آنکھوں سے کسقدر جوئے خوں رواں ہے یعنی میرا دل ان سے خون ہو گیا ہے اور اسی وجہ سے میں خون روتا ہوں۔ دوسرا پہلو یہ نکلتا ہے کہ ہاں ہاں اچھا خلش غمزہ خونریز نہ پوچھ میری خونابہ فشانی کا تماشہ دیکھ۔ یہ بھی یا از راہ طنز کہا گیا ہے۔ یا بصورت عجز کہ اگر یہ نہ کرے تو یہ تو کر۔ بہرحال کچھ نہ کچھ چاہیے۔

کیا بیاں کرکے مرا روئیں گے یار — مگر آشفتہ بیانی میری

میں مر جاؤں گا تو لوگ میری کونسی اچھی عادت کو بیان کرکے روئینگے بس ایک آشفتہ بیانی ہی ایسی ہے جسے یاد کرینگے۔

ہوں زخود رفتۂ بیدائے خیال — بھول جانا ہے نشانی میری

خیال حباب ایک جنگل ہے جس سے میں نکل گیا ہوں احباب میری نشانی صرف یہ ہے کہ وہ مجھے بھول گئے ہیں۔

یا یہ کہ میں خیال یار کے وحشت ناپیدا کنار میں از خود رفتہ ہو گیا ہوں اور میری گم گشتگی اور از خود رفتگی کا نشان یہ ہے کہ وہ مجھے بھول گیا ہے۔

متقابل ہے مقابل میرا — رک گیا دیکھ روانی میری

میرا معشوق مجھ سے رک گیا یعنی خفا ہو گیا۔ اور اُسکی رکاوٹ محض میری روانی یعنی حاضر جوابی و بذلہ سنجی سے تھی۔ غرض یہ کہ وہ میرا متضاد اور مقابل ہے کیونکہ بیان کر چکے ہیں۔

ے زخم گر دب گیا لہو نہ تھما — کام گر رک گیا روانہ ہوا

قدر سنگ سر رہ رکھتا ہوں — سخت ارزاں ہے گرانی میری

میری گرونی قدری کچھ قابل تحسین نہیں ہے بلکہ ازراہ نفرت ہے اندازاسکی مثال ایسی ہے جیسے کہ پتھر گراں ضرور ہے۔ مگر جسقدر ارزاں ور بے قدر ہے کہ ہمیشہ پڑا رہتا ہے کسی کھا مرزا فارسی میں فرماتے ہیں

ف تا کس زتو سنگی ظاہر نشود کس ۔ چوں سنگ سرہ کہ گرانست گران نیست

گردباد رہ بیتابی ہوں ۔ صرصر شوق ہے بانی میری

میں راہ بیتابی میں ایک بگولہ بنگیا ہوں۔ اور یہ سب ہوائے شوق کا کرشمہ ہے جسنے میری یہ صورت بنادی ہے۔

دہن اُسکا جو نہ معلوم ہوا ۔ کھل گئی ہیچمدانی میری

یہ ایک معمولی اور مبتذل مضمون ہے کہ میں نے اُس کے دہن کے معلوم کرنیکی کوشش کی مگر اس نکتہ کو معلوم نہ کرسکا۔ لہذا میری ہیچمدانی کا حال کھل گیا۔ یا یوں سمجھیے کہ دہن معشوق ہیچ ہے اور میں اوس ہیچ کو معلوم نہ کرسکا لہذا ہیچمدان ٹھہرا

کردیا ضعف نے عاجز غالب ۔ ننگ پیری ہے جوانی میری

یعنی اگرچہ جوان ہوں مگر اسقدر ضعیف و نحیف ہوں کہ سو بڈھوں کا ایک بڈھا معلوم ہوتا ہوں ناطق

جوانی ور بوڑھوں کی عمر ہی کا نام ہے ناطق ۔ ہماری بھی جوانی کچھ جوانی میں جوانی ہے

نقش نازِ بتِ طناز بہ آغوشِ رقیب ۔ پائے طاوس پئے خامۂ مانی مانگے

آغوش رقیب میں ہونیکی حالت میں اُسکی تصویر چاہتی ہے کہ مانی کے ہاتھ میں دے طاوس بجائے خامہ کے دیا جائے۔ تب مجھے کھینچے۔ یہ ظاہر ہے کہ طاوس کے تمام اعضا اچھے پاؤں کے خوبصورت ہوتے ہیں یہاں اس وجہ سے ایسا کہا گیا کہ اُسکی تصویر بھی اچھی تصویر کا کھینچنا بھی اچھا کھینچنے والا بھی اُستاد۔ بُرا ہے تو یہ بُرا ہے کہ وہ آغوش رقیب میں ہے سہ پہلوئے حور میں لنگور خدا کی قدرت ۔ زاغ کی چونچ میں انگور خدا کی قدرت

مصنف نے یوں نہیں کہا کہ اُسکی تصویر اس صورت میں یوں کھینچی جائے بلکہ یہ کہا ہے کہ اُسکی تصویر کا یہ تقاضہ ہے کہ اُسوقت میرا کھینچنا اسطرح زیبا ہے۔ گویا میں رقیب کے پاس بیٹھنا برا نہیں جانتا بلکہ یہ قدرتی امر ہے کہ برا معلوم ہوتا ہے۔

تو وہ بدخو کہ تحیر کو تماشا جانے ۔ غم وہ افسانہ کہ آشفتہ بیانی مانگے

تیری عادت ایسی بُری کہ میری حیرت سے مجھکو محوِ تماشا سمجھتا ہے۔ اور میرے غم کا ایسا افسانہ ہے جو چاہتا ہے کہ آشفتہ بیانی بھی اُسکے ساتھ ہو۔ یا یہ کہ میری حیرت تیرے لئے ایک تماشہ ہے اور اگر اس سے آشفتہ ہوں اور میرا غم مجھے مجبور کردے تو تو آشفتہ بیانی سمجھتا ہے غرض دوگونہ رنج و عذاب است جان مجنوں را بلائے فرقت لیلےٰ و صحبت لیلےٰ۔ چپ رہوں تو مصیبت کچھ کہوں تو آفت

وہ تپ عشق تمنا ہے کہ پھر صورت شمع ۔ شعلہ تا نبض جگر ریشہ دوانی مانگے

میں وہ تپ عشق اور حرارت کی تمنا رکھتا ہوں کہ شمع کی طرح پھر شعلہ رگہائے جگر تک سرایت کرے۔ یعنی وہ شعلہ ہو کہ میرے جسم و جگر سب کو پھونکدے۔

گلشن کو تری صحبت از بسکہ خوش آئی ہے ۔ ہر غنچہ کا گل ہونا آغوش کشائی ہے

چونکہ پھولوں کو تیرے پاس بیٹھنا اور تجھ سے ملنا اچھا معلوم ہوتا ہے لہذا ہم سمجھتے ہیں کہ غنچے جو کھلتے ہیں یہ گویا جوش شوق میں سب تجھ سے ملنے کے لئے آغوش کھولتے ہیں۔ بیدل

ف زجیب ہر مژہ آغوش می کند پیدا ۔ کہ جائے تو ہمہ جا در چشم دوستان خالی است

واں کنگرِ استغنا ہر دم ہے بلندی پر ۔ یاں نالہ کو اور الٹا دعوے رسائی ہے

واں کنگرہ استغنا بلند ہوتا چلا جاتا ہے اور یہاں نالہ الٹا یہ دعوے کرتا ہے کہ یہ میری رسائی کے سبب سے ہوا ہے۔ یعنی میرے نالہ کا اگر اثر ہوتا ہے تو اتنا کہ وہ مجھ سے اور بھی مستغنی ہو جاتا ہے

از بسکہ سکھاتا ہے غم ضبط کے اندازے ۔ جو داغ نظر آیا اک چشم نمائی ہے

غم مجھکو ضبط کے انداز سکھاتا ہے۔ اور ہر داغ سے چشم نمائی کا کام لیتا ہے۔

جس زخم کی ہو سکتی ہو تدبیر رفو کی — لکھ دیجیو یارب اُسے قسمت میں عدو کی

ایسا جو زخم ایسا ہو کہ اُسکی تدبیر چارہ گری ہو سکے میں ایسا زخم نہیں چاہتا۔ وہ زخم دشمن کی قسمت میں لکھ دے۔ یعنی میرا درد لا دوا ہونا چاہیئے۔

ف درِ توزہ راحت نتواں کرد ز مرہم — غالب ہمہ تن خستہ پیکان نگاہ است

اچھا ہے سر انگشتِ حنائی کا تصور — دل میں نظر آتی تو ہے اک بوند لہو کی

میرے لئے یہ اچھا ہے کہ میں اُسکی انگشت حنائی کا خیال اپنے دل میں رکھوں کم از کم اس سے اتنا فائدہ ہے کہ میرے جسم کا تمام لہو خشک ہو گیا ہے اس سے میرے دل میں ایک لہو کی بوند تو نظر آتی ہے یعنی وہ لہو کی بوند سے مشابہ ہے اس تشبیہ سے مصنف نے کئی فائدے اٹھائے ہیں۔ معشوق کی انگلی کی پور کی نزاکت اور تزئیں اور اُسکو اپنے دل کے لئے لہو کی بوند بنانا۔ بلحاظ بلاغت معنی کے شعر کا لفظ لفظ با معنی ہے یعنی عاشق کے تباہ ہونے پر وہی معشوق کا خیال جسنے تباہ کیا ہے باعث آرام ہو جاتا ہے عاشق کو ہر حال میں معشوق کا خیال چاہیئے۔ معشوق کے ہر عضو بدن کو دل میں رکھے اس شعر میں معانی کا دوسرا پہلو بھی یہاں لطیف ہے۔ یعنی کوئی غمخوار دوست۔ یا خود اُسکی عقل اُسکو سمجھاتی ہے کہ اب اس خیال کو چھوڑ دے، تیرے دل میں بالکل خون باقی نہیں رہا۔ اب یہ خیال تیرے دل میں برا اثر پیدا کرے گا اور اُسکے جواب میں یہ کہتا ہے کہ واہ آپ کیسے کہتے ہیں کہ اچھا نہیں ہے یہ خیال میرے لئے اچھا ہے۔ ابھی میرے دل میں یک خون کی بوند دکھائی تو دیتی ہے اسے بھی کیوں نہ صرف خیال انگشت حنائی کروں۔ لہذا جب تک خون کی ایک بوند بھی دل میں ہے یہ خیال اسوقت تک میرے لئے اچھا ہے۔ جب خون نہ ہو تو خیر مجبوری ہے۔

کیوں ڈرتے ہو عشاق کی بے حوصلگی سے — یاں تو کوئی سنتا نہیں فریاد کسو کی

تم عشاق کی بے حوصلگی۔ اور بے تابی۔ بے صبری سے کیوں ڈرے جاتے ہو۔ یہاں کون کسی کی فریاد سنتا ہے یعنی دنیا کا تیرے زمانہ میں یکساں حال ہے۔ اگر کوئی تمہاری فریاد کرے بھی تو بیکار ہے اسمیں کسو کا لفظ مصنف کے بھی متروکات سے ہے اور وہ خود بھی اسکو غیر فصیح اور بجائے اُسکے کسی فصیح سمجھتے تھے۔

صد حیف وہ ناکام کہ اک عمر سے غالب — حسرت میں رہے ایک بتِ عربدہ جو کے

غالب اوس ناکام پر بڑا افسوس ہے۔ جو ایک عمر ایک معشوق ستمگر کی حسرت میں گذار دے

دشنہ نے کبھی منہ نہ لگایا ہو جگر کو — خنجر نے کبھی بات نہ پوچھی ہو گلو کی

یعنی معشوق ستمگر کے خنجر نے کبھی اُس مظلوم ناکام کے گلو مشتاق قتل کی بات تک نہ پوچھی ہو اور اُسکے دشنہ جانستاں نے کبھی جگر کو منہ نہ لگایا ہو۔ دونوں محاورے نہایت ہی برمحل صرف ہوئے ہیں یعنی چھری کا جگر کو منہ لگانا جگر کے ٹکڑے اڑانا۔ اور خنجر کا گلو کی بات پوچھنا اُسکو کاٹ ڈالنا ہے۔ خنجر چونکہ بصورت زبان ہوتا ہے اس لئے یہ دونوں محاورے لکھے ہیں۔ یعنی اوس ناکام کی حسرت بڑی حسرت ہے جسکی قتل کی آرزو بھی پوری نہ ہو۔

سیماب پشت گرمئ آئینہ دے ہے ہم — حیراں کئے ہوئے ہیں دل بیقرار کے

اس شعر میں بھی دو معانی پیدا ہوتے ہیں کہتا ہے کہ سیماب کا کام یہ ہے کہ وہ آئینہ کی مدد کرتا اور اُسکو آئینہ بناتا ہے۔ ویسے ہی ہمارے دل نے جو مثل سیماب ہے ہمکو حیران کر کے مثل آئینہ بنا دیا ہے دوسرا پہلو یہ ہے کہ سیماب کا کام یہ ہے کہ آئینہ کی مدد کرتا ہے۔ اور اسکو چمکاتا ہے۔ برعکس اسکے ہمارے دل بیقرار نے ہمکو حیران بنا دیا۔ اور پریشان کر دیا۔ یعنی ہم بیکار ہو گئے اور یہ گویا اس سیماب کی نئی تاثیر ہے۔ ورنہ دنیا میں تو یہ نہیں ہوتا ہے۔

آغوشِ گل کشادہ برائے وداع ہے — اے عندلیب چل کہ چلے دن بہار کے

گل نے اپنی آغوش کھول رکھی ہے کہ جلد سب سے رخصت ہو جائیں لہذا اے عندلیب اس پر نہ بھول کہ بہار ابھی موجود ہے۔ نہیں بلکہ گل رخصت ہو رہے ہیں اور بہار مسدود ہلاق ہے ایک جگہ فارسی میں بہار کے آمادۂ وداع ہونیکی یوں توجیہ کی ہے۔

ف ہجومِ برگِ گل تا قطرۂ شبنم نہ پنداری — بہار از حسرتِ فرصت بدنداں میگزد لب را

ہے وصل ہجر عالمِ تمکین و ضبط میں — معشوق شوخ و عاشق دیوانہ چاہیئے

اگر وصل میں عالم تمکین و ضبط قایم رہا۔ تو وہ وصل وصل نہ رہا۔ وہ ہجر ہو گیا۔ بلکہ معشوق کو شوخ اور عاشق کو دیوانہ رہنا چاہیئے تاکہ ضبط و تمکین کا نام تک نہ آنے پائے۔

اس لب سے مل ہی جائیگا بوسہ کبھی تو ہاں — شوق فضول و جرأت رندانہ چاہیئے

کبھی نہ کبھی اُسکے لب کا بوسہ مل ہی جائیگا۔ ایک یہ فضول شوق اور رندانہ جرأت چاہیئے۔ باقی کچھ ضرور نہیں ہے بوسہ کے شوق کو شوق فضول اس لئے کہا ہے کہ مصنف اُسکو بوالہوسی کہتا ہے نہ کہ عاشقی۔

چاہیئے اچھوں کو جتنا چاہیئے — یہ اگر چاہیں تو پھر کیا چاہیئے

دنیا میں جتنا چاہیئے اچھوں کو چاہیئے اگر اس چاہنے کے اثر سے یہ لوگ چاہنے لگیں تو بس پھر کیا ہی ہو القصود و ہو المراد اس سے اچھی کونسی بات ہے۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ میرا معشوق ابتک بُروں کو چاہتا ہے کاش اُسکا یہ خیال ہو جائے کہ چاہیئے اچھوں کو جتنا چاہیئے پھر مجھے کیا پروا ہے۔ مصرع ثانی میں یہ کی ضمیر اس صورت میں جانب معشوق اور چاہیئے کا فاعل بھی معشوق ہی کو قرار دیا جائے گا۔

صحبت رنداں سے واجب ہے حذر — جائے مے اپنے کو کھینچا چاہیئے

رندوں اور شراب خوار ونکی صحبت سے پرہیز ضروری ہے بجائے مے کشی کے خود کھینچنا چاہیئے

چاہنے کو تیرے کیا سمجھا تھا دل — بارے اب اس سے بھی سمجھا چاہیئے

میرا دل جو آپ کے عشق میں زار و بیقرار اور دیوانہ ہو گیا ذرا اب اس سے بھی سمجھ لیجیئے کہ آپ کے چاہنے کو اسنے سمجھا کیا تھا۔ مصرع ثانی میں سمجھنا بمعنی سزا دینا اور باز پرس کرنا استعمال کیا ہے

چاک مت کر جیب بے ایام گل — کچھ اُدھر کا بھی اشارا چاہیئے

بغیر فصل گل گریباں نہ پھاڑ۔ بس مزا یہ ہے کہ ذرا اُدھر سے گریبان دری کا اشارا ہو ادھر اُسکے پرزے پرزے اڑا دیے۔ اُدھر لباس غنچہ پارہ پارہ ہوا ادھر تم بھی اپنا گریبان چاک کر دو

غنچہ کی گریباں دری سے یہ جتایا ہے کہ جس وقت گریبان پھاڑنے کے لئے یہ اشارہ قدرت سے ہے یہ ایک نیا مضمون ہے۔ یعنی مصنف نے اس سال مضمون میں یہ جدت کی ہے کہ فصل بہار میں گریبان چاک کرنا۔ بہار کے لئے نہیں ہے بلکہ بمقتضائے ایمائے قدرت ہے۔

؎ خزاں میں چاک گریباں سے فائدہ انشا — مزا بہار کا ہے اک ذرا بہار آئے

دوستی کا پردہ ہے بیگانگی — منہ چھپانا ہم سے چھوڑا چاہیئے

تم جو ہمارے اور اپنے عشق کے چھپانے کی غرض سے پردہ کرتے ہو یہ تمہاری سراسر نادانی ہے۔ لوگ اس لاگ میں لگاوٹ کا پہلو نکالینگے اور راز کھل جائے گا کیونکہ جس سے کچھ واسطہ ہوتا ہے اُسی سے پردہ بھی کیا جاتا ہے۔ لہذا آپ ہم سے پردہ کرنا چھوڑ دیجیئے کہ ایک بے تعلقی ظاہر ہو

؎ مے رمی از من و خلقے بگمان است ز تو — بے حجابا شو و بنشیں کہ گماں برخیزد

؎ حیا غماز ہر راز محبت کھول دیتی ہے — نگاہ شرم میں شوخی سے قرباں پیدا کر

دشمنی نے میری کھویا غیر کو — کس قدر دشمن ہے دیکھا چاہیئے

یعنی یہ کہ وہ یوں دشمن کا دشمن ہے کہ کیوں دشمن ہوا میرا۔ اوسکی دشمنی کی کیا حد ہے جو اپنے دوست کے میرے معاندانہ تعلقات بھی نہیں دیکھ سکتا۔

؎ ذکر میرا بہ بدی بھی اُسے منظور نہیں — غیر سے بات بگڑ جائے تو کچھ دور نہیں

آتش مرحوم اس مضمون کے خلاف فرماتے ہیں۔ اور کیا خوب کہتے ہیں۔

؎ مری ضد سے ہوا ہے مہرباں دوست — مرے احساں ہیں دشمن پہ ہزاروں

اپنی رسوائی میں کیا چلتی ہے سعی — یار ہی ہنگامہ آرا چاہیئے

ہماری کوشش سے ہمکو رسوائی نہیں ہو سکتی اگر ہم سعی بھی کریں تو ہمیں کامیابی محال ہے بلکہ یہ سب یار ہی کے اوپر دار و مدار ہے۔ وہ چاہے تو ہم رسوا ہو سکتے ہیں۔

منحصر مرنے پہ ہو جسکی امید — نا امیدی اُسکی دیکھا چاہیئے

اوس شخص کی ناامیدی کو دیکھنا چاہیئے جسکی اُمید موت آنے پر وابستہ ہو۔ یعنی موت کے

بعد وہ زمانہ ہی جسکے اندر کوئی امید پوری ہو ہی نہیں سکتی۔

غافل ان مہ طلعتوں کے واسطے　　چاہنے والا بھی اچھا چاہیئے

ان حسین تن چاند کے ٹکڑوں کا چاہنے والا بھی ایسا ہی ہو۔

چاہتے ہیں خوبرویوں کو اسد　　آپکی صورت تو دیکھا چاہیے

جناب اسد بھی خوبرُوں پر مرتے ہیں۔ ذرا آپ کا حلیہ تو ملاحظہ کیجیے۔ یعنی آپ اس قابل نہیں ہیں۔

ہر قدم دوریٔ منزل ہے نمایاں مجھ سے　　میری رفتار سے بھاگے ہے بیاباں مجھ سے

ہر قدم پر دوریٔ منزل نمایاں ہوتی جاتی ہے اور چونکہ بیاباں میری منزل ہے لہذا گویا میری رفتار بیاباں کی رفتار بن گئی ہے کہ جسقدر میں اُسکی طرف بڑھتا ہوں وہ مجھ سے بھاگتا جاتا ہے۔

درسِ عنوانِ تماشا بہ تغافل خوشتر　　ہے نگہ رشتۂ شیرازۂ مژگاں مجھ سے

عنوان تماشائے دوست کا درس حالت تغافل یار میں اچھا ہی تاکہ اسپر یہ ظاہر نہو اور اُسکے سوا دوسروں پر بھی یہ راز نہ کھلے کہ نگاہ نے عنوان تماشا کا درس لیا یعنی کسکو دیکھا اسوجہ سے نگاہ رشتۂ مجھے شیرازۂ مژگاں بنی ہوئی ہے یعنی مجھسے بھی چھپی ہوئی اور اس کا یہ فعل اس لئے ہے کہ اسکا راز معشوق پر تو کیا مجھپر بھی نہ ظاہر ہو۔

مولانا نظم فرماتے ہیں۔ یعنی میرے نگاہ شیرازہ مژگاں کا رشتہ بنگئی ہی حاصل یہ کہ تغافل پسند ہونے کے سبب آنکھ سے باہر نہیں نکلتی اور تماشائے دنیا سے درس لینا بھی بہ تغافل ہی اچھا ہے اور عنوان کا لفظ مبالغہ پیدا کرنے کے لئے لائے ہیں یعنی سارا تماشہ تو ایک طومار ہے اُسکے دیکھنے کا کسے دماغ ہے یہاں عنوان تماشا کے دیکھنے سے بھی تغافل ہے۔

مولانا حسرت لکھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ رشتہ شیرازہ مژگاں غیر محسوس ہوتا ہے بس مطلب یہ ٹھہرا کہ دیدار کے عنوان کا درس یا بخوف استعارات محبوب کے دیدار کا لطف اُسی حالت

میں ہے کہ ہم اُسے دیکھیں اور اُسے ہمارے دیکھنے کا علم نہو۔

وحشتِ آتشِ دل سے شبِ تنہائی میں　　دود کیطرح رہا سایہ گریزاں مجھ سے

میری وحشت دل کی آگ سے شب تنہائی میں میرا سایہ بھی دھوئیں کی طرح بھاگتا ہے۔ اسی مضمون کو کہہ چکے ہیں ؎

سایہ میرا مجھ سے مثلِ دود بھاگے ہے اسد　　پاس مجھ آتش بجاں کے کس سے ٹھہرا جائے ہے

غمِ عشاق نہو سادگی آموزِ بتاں　　کسقدر خانۂ آئینہ ہے ویراں مجھ سے

کہیں عشاق کے غم معشوقوں کو انداز سادگی نہ سکھا دیں اف خانۂ آئینہ میری وجہ سے کتنا ویران نظر آتا ہے۔ یعنی ایک میں مر گیا ہوں اور سوگ میں اُسنے آئینہ وغیرہ دیکھنا چھوڑ دیا ہے تو آئینہ خانہ میں سناٹا ہو رہا ہے۔ اگر خدانخواستہ غم عشاق میں تمام معشوقان جہاں زینت کو ترک کر دیں تو اور بھی غضب ہو جائیگا۔

یا نہو کو صیغہ امر کا قرار دیکر غم عشاق کو منادا لے کیجیے۔ یعنی اے غم عشاق تو معشوق کو سادگی نہ سکھا۔ کم بخت ذرا دیکھ تو سہی تیرے اس فعل سے آئینہ خانہ میں کیسا سناٹا پڑا ہے یعنی میرے غم میں اوسنے زینت کو ترک کر دیا ہے۔

اثرِ آبلہ سے جادۂ صحرائے جنوں　　صورتِ رشتۂ گوہر ہے چراغاں مجھ سے

میرے صحرائے جنوں کا جادہ میرے پر آبلہ پاؤں کے نقش سے رشتہ گوہر کی طرح چمک چمک کر چراغاں کا عالم دکھا رہا ہے یعنی میرے آبلوں نے قدم قدم پر خون ٹپکا ہے جسنے یہ عالم پیدا کیا ہے۔ یا میرے آبلے ایسے پر سوز ہیں جن کے نقش تک جل جل کر چراغان کا منظر دکھا رہے ہیں۔

بیخودی بسترِ تمہیدِ فراغت ہو جو　　پر ہے سایہ کیطرح میرا شبستاں مجھ سے

خدا کرے میری بیخودی کو بستر تمہید فراغت بننا نصیب ہو جسکی وجہ سے میرا گھر سایہ کی طرح مجھ سے بھرا ہوا ہے۔ یعنی میں سایہ کی طرح بیحس و حرکت پڑا ہوں اور میرا گھر

سایہ کی طرح مجھ سے بھرا ہوا ہے تو اس صورت میں بے خودی فراغت کا دیباچہ ہوئی جسکی وجہ سے بفکر پاؤں پھیلائے پڑا ہوں ۔ اور میرا بھرا بھرا معلوم ہوتا ہے ۔ اگر یہ نہ ہوتی تو خدا جانے کہاں مارا مارا پھرتا اور میرا گھر خالی اور ویران پڑا ہوتا ۔ مولانا ناطق صاحب گلاوٹھوی نے ایک جگہ قناعت کا مضمون کچھ ایسے ہی رنگ سے کہا ہے ۔

؎ کیا قناعت تھی حریف کلفت واماندگی　　دشت میں جب پاؤں پھیلائے وطن ثابت ہوا

ہو جیو ۔ کا مخفف ہو جو مصنف نے استعمال کیا ہے یہ دونوں متروک ہیں ۔

شوق دیدار میں گر تو مجھے گردن مارے　　ہو نگہ مثل گل شمع پریشاں مجھ سے

اگر تو شوق دیدار میں مجھے قتل کر دے تو میری نگاہیں اس گل شمع کی طرح جسے شمع سے کاٹتے ہیں ۔ ورنہ جس سے دھواں اٹھتا ہے شوق دیدار میں چاروں طرف منتشر ہو جائینگی یعنی مرنے کے بعد اور بھی ازدیاد شوق دیدار ہوگا ۔ یا گل جب شمع سے جدا ہوتا ہے ادھر ادھر پریشان ہو جاتا ہے اسیطرح میری نگاہیں پھیل جائینگی اور ایک نگاہ سے نگاہیں ہو جائینگی ۔

بیکسیہائے شب ہجر کی وحشت ہے ہے　　سایہ خورشید قیامت میں ہے پنہاں مجھ سے

ہائے ہائے شب ہجر میں مجھے جب وحشت ہوتی تھی تو سایہ کیا کیا مجھے ڈرایا کرتا تھا اور کیسی شرم اور ندامت کی وجہ سے قیامت کے دن خورشید قیامت میں سایہ مجھ سے پوشیدہ ہو رہا ہے اور چھپا چھپا پھرتا ہے مولانا نظم یہ لکھتے ہیں کہ شب غم کی بیکسی اور اداسی سے وحشت کھا کر میرا سایہ مجھ سے بھاگا ہوا ہے اور آفتاب قیامت میں جا کر چھپ رہا ۔ حالانکہ سایہ آفتاب سے بھاگتا ہے مگر میرا سایہ مجھ سے ایسا بھاگا کہ آفتاب حشر میں پنہاں ہو گیا ۔

مولانا حسرت لکھتے ہیں ؎ کس کا کب کبھی روز سیہ میں ساتھ دیتا ہے کہ تاریکی میں سایہ بھی جدا رہتا ہے انساں سے ۔

میرے نزدیک اسمیں ایک لطیف پہلو یہ بھی موجود ہے ۔ کہتا ہے کہ ہائے ہائے شب ہجر کی بیکسی کا کیا عالم ہے اور اسمیں کیسی وحشت ہے ۔ جسنے میرے اوپر قیامت برپا کر رکھی ہے اور گویا میرا سایہ بھی اسی قیامت کے خورشید میں چھپا ہوا ہے ۔ سایہ کے پنہاں ہونے کی

یہاں کئی وجوہ ٹھہرائی جا سکتی ہیں ۔ خواہ میری بیکسی کے بڑھانے کے لئے ۔ خواہ میری وحشت دور کر

گردش ساغر صد جلوہ رنگیں تجھ سے　　آئینہ داری یک دیدہ حیراں مجھ سے

بزم میں تیرے جلوہ رنگیں گردش ساغر کا کام دے رہے ہیں اور تیرے جوہر کا خاتمہ کر رہے اور میں نے دیدہ حیران کی آئینہ داری کر رہا ہوں ۔ یعنی تو اپنے جلوہ سے مجھے حیران کرتا ہے اور میں حیران رہتا ہوں مولانا ابوالکمال آسی میٹھوی فرماتے ہیں ؎

کچھ نہیں سکے سوا جلوہ گہ یار کا راز　　کوئی حیراں کرے اور کوئی حیراں ہو جائے

جناب صفدر مرزا پوری ؎ فرق کیا عاشق و معشوق میں بس اتنا ہے کوئی دیوانہ بنا کوئی دیوانہ بنے

نگہ گرم سے اک آگ ٹپکتی ہے اسدؔ　　ہے چراغاں خس و خاشاک گلستاں مجھ سے

میری نگاہ گرم سے خس و خاشاک گلستاں میں آگ لگی ہوئی ہے ۔ اس شعر کے ظاہر معنے تو صرف یہی ہیں ۔ مگر در اصل یہ نہایت بلیغ شعر ہے مصنف کہتا ہے کہ میں کمال سرگرمی اور نہایت غور کے ساتھ گلستان کا مطالعہ کر رہا ہوں تو گلستاں کے خس و خاشاک کو میری نگاہ گرم جلا رہی ہے اور ہر ایک پتے اور کانٹے کوڑے میں چراغاں کا عالم پیدا ہو رہا ہے یعنی باغ دنیا کا ذرہ ذرہ میری نظر میں کیفیت گلشن پیدا کر رہا ہے اور یہی گلشن چراغاں سے مشابہ ہے چراغاں سے اسکو مشابہ کرنیکی خاص وجہ یہ نکالی ہے ۔ کہ وہ بھی بہار دکھا کر آمادہ فنا ہے اور یہ سب پھول بھی بہار دکھا دکھا کر فنا ہو رہے ہیں اور ان پھولوں یا چراغاں کا انجام خاک ہو جانا ہے ۔

نکتہ چیں ہے غم دل اسکو سنائے نہ بنے　　کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

وہ نکتہ چین ہے میرا بنا غم دل اسکو نہیں سنا سکتا ۔ میری تدبیر وہاں کیا کارگر ہو گی جہاں میں کوئی بات بھی نہیں بنا سکتا ۔ اور اپنے مطلب کا کسی صورت سے اظہار نہیں کر سکتا ۔ میں پہلے مصرع کے معنی یوں بھی نکالے جا سکتے ہیں ۔ کہ غم دل میری عیب جوئی اور نکتہ چینی میں مصروف ہے کہ تو اسپر مجھے اظہار نہیں کرتا ۔ اور ہمسے اسکو سنایا نہیں جاتا ۔ یعنی ہم رعب یا موقعہ نہ ملنے کی وجہ سے اس سے کچھ کہہ نہیں سکتے ۔ اور واقعہ بھی یہی ہے کہ غم دل تو اپنے مطلب کے لئے نکتہ چینیوں میں مصروف مگر وہاں کی رنگت کو یہ نہیں جانتا کہ وہاں کوئی بات بنائے

175

تو بن نہیں سکتی پھر بھلا کامیابی کیسی۔

میں بلاتا تو ہوں اُسکو مگر اے جذبۂ دل — اُس پہ بن جائے کچھ ایسی کہ بن آئے نہ بنے

اے جذبۂ دل خیر میں اُسکو بلاتا تو ہوں مگر اب تو بھی کچھ ایسا کرنا کہ اُسکو آتے ہی بن پڑے

کھیل سمجھا ہے کہیں چھوڑ نہ دے بھول نہ جائے — کاش یوں بھی ہو کہ بن میرے ستائے نہ بنے

میں اس سے نہیں ڈرتا کہ وہ مجھ پر ظلم و ستم کرتا ہے۔ بلکہ مجھے خوف یہ ہے کہ وہ میرے ستانے کو ایک کھیل سمجھا ہوا ہے کہیں وہ بے پروائی سے اس کھیل کو چھوڑ نہ دے ہائے کیا اچھا ہو کہ اُسکو میرے ستانے کی عادت پڑ جائے اور بغیر میرے ستائے چین ہی نہ آئے۔

غیر پھرتا ہے لئے یوں ترے خط کو کہ اگر — کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے تو چھپائے نہ بنے

غیر کو جو تو نے خط بھیجا ہے وہ ایسا اُس خط کو خوشی میں لئے پھرتا ہے۔ یا ہاتھ میں لئے پھرتا ہے کہ اگر خدانخواستہ کوئی پوچھ بیٹھے کہ یہ کیا ہے تو وہ اسکو چھپا نہیں سکتا۔ اور اُسے بتانا پڑے کہ فلاں کا خط ہے اور یہ تیری رسوائی کا باعث ہوگا۔

اس نزاکت کا بُرا ہو وہ بھلے ہیں تو کیا — ہاتھ آئیں تو انہیں ہاتھ لگائے نہ بنے

وہ بھلے ہیں مگر کمبخت نزاکت کا بُرا ہو کہ اگر وہ ہاتھ بھی آجائیں تو انہیں چھو بھی نہیں سکتے

مولانا نظم نزاکت کو غلط بتاتے ہیں۔ اور لکھتے ہیں کہ نازک سے عربی والوں کے قیاس پر اہل فارس نے یہ مصدر بنا لیا ہے فقط مگر ہم نہیں جانتے کہ کسی زبان کی نقل کر کے اپنی زبان کی توسیع کیلئے کچھ الفاظ وضع کرلئے جائیں تو انکے غلط ہونے کا کیا سبب ہے۔

اس شعر میں مصنف نے نزاکت کی مذمت کر کے اسکی تعریف کی ہے۔ جو ایک نہایت لطیف مضمون ہے۔

۵ اس حسن کا بُرا ہو یہ نکلا رقیب دوست — چہرہ تمہارا چاند سے اُسنے ملا دیا

کہہ سکے کون کہ یہ جلوہ گری کس کی ہے — پردہ چھوڑا ہے وہ اُسنے کہ اُٹھائے نہ بنے

یہ کون کہہ سکتا ہے کہ یہ تمام جلوہ گری کسکی ہے کیونکہ اُسنے عالم امکان پر اسباب کا پردہ ڈال دیا ہے مگر دراصل یہ سب جلوہ گری اُسکی ہے۔

موت کی راہ نہ دیکھوں کہ بن آئے نہ رہے — تمکو چاہوں کہ نہ آؤ تو بلائے نہ بنے

موت کی راہ کیوں دیکھوں وہ ایک نہ ایک دن ضرور آئیگی۔ مگر تمہارے آنیکا متمنی کیوں نہ رہوں اگر تمہارے نہ آنے کا خیال بھی دل میں آجائے تو پھر تمکو کس منہ سے بلاؤں۔

دوسرا احتمال اس شعر کے معانی میں یہ بھی موجود ہے کہ مجھکو اسوقت ضرورت سخت ہے کہ موت کا داعی ہوں کیونکہ مجھے اپنی زندگی کاٹنی دوبھر ہے۔ مگر ایسی ضروری شے کے بلانے کو میں ان سنا مگر آپ کو بلانا نہیں چھوڑ سکتا۔

تیسرے معانی یہ بھی پیدا ہوتے ہیں کہ میں جانتا ہوں کہ آپ کے آنے سے مجھے شادی مرگ ہو جائیگی مگر پھر بھی آپ کو بلاتا ہوں اور یہ نہیں کہہ سکتا کہ تم نہ آؤ۔ کیونکہ اگر بلانا چھوڑتا ہوں تو آئندہ کو میرا منہ نہ رہیگا کہ تم کو بلا سکوں اور موت کا کیا ہے اوسکا آپ کے بلانیکی حالت میں کیوں نہ انتظار کروں وہ تو آپ کے آنے پر آئے بغیر رہ نہیں سکتی۔

چوتھے معنی یہ ہیں اور یہ سب سے بہتر اور مناسب مقام ہیں کہ جو ہر روز میں موت کا انتظار کرتا ہوں یہ فضول ہے اسکو چھوڑ دینا چاہیئے اور اسکی راہ مجھکو نہ دیکھنی چاہیئے وہ تو خواہ نخواہ آئیگی اور اسکے یقینی ہونے کا اور ضروری آنیکا سبب اور اُسکے بلانیکی تدبیر یہ ہے کہ میں چاہوں یعنی اس بات کی خواہش کروں کہ تم نہ آؤ اس خواہش کا نتیجہ لازمی یہ نکلے گا کہ تم مجھ سے ناراض ہو جاؤ گے اور میرا منہ نہ رہیگا کہ تمکو بلاؤں۔ اور پھر اس صدمہ سے لازمی مجھے موت آجائیگی۔

بوجھ وہ سر سے گرا ہے کہ اُٹھائے نہ اُٹھے — کام وہ آن پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے

یہ شعر پہلے شعروں سے قطعہ بند سا معلوم ہوتا ہے جس کا مفہوم بصورت قطعہ کے یہ پیدا ہوتا ہے کہ میں ایک کشمکش میں ہوں کچھ کرتے دھرتے نہیں بن پڑتا۔ اور اسمیں مصنف نے اپنی مجبوریوں کا نقشہ کھینچ دیا ہے۔

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب — کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

غالب عشق پر کسی کا زور نہیں ہے یہ ایک ایسی آگ ہے نہ لگائے لگ سکتی ہے اور نہ بجھائے
بجھ سکتی ہے یعنی اگر چاہیں کہ معشوق کے دل میں یہ آگ لگا دیں یا عاشق کے دل سے اس شعلہ کو
بجھا دیں تو قریب قریب غیر ممکن ہے۔

چاک کی خواہش اگر وحشت بعریانی کرے
صبح کے مانند زخم دل گریبانی کرے

جب گریبان نہ رہے اور میرے جنون کو خواہش چاک مد دری ہو تو میرا زخم دل گریبان بنکر چاک ہو
یعنی جیسے گریبان صبح چاک ہوتا ہے ایسے ہی زخم دل کا گریبان چاک ہو۔

جلوہ کا تیرے وہ عالم ہے کہ گر کیجئے خیال
دیدۂ دل کو زیارت گاہ حیرانی کرے

تیرے جلوہ کا وہ عالم ہے کہ اگر خیال کریں تو دیکھیں تو آنکھیں دیدہ دل کو بھی حیران کردے

ہے شکستن سے بھی دل نومید یارب کب تلک
آبگینہ کوہ پر عرض گرانجانی کرے

ہمارا دل شکستگی سے بھی مایوس ہو گیا یعنی چاہتے ہیں کہ وہ ہماری دلشکنی کرے تو وہ اسکو
بھی منظور نہیں کرتا۔ ایخدا آبگینہ کب تک کوہ پر اپنے گرانجانی کا دکھڑا روئیگا اور کب تک کوہ کو
اسپر رحم نہ آئیگا۔

جناب نظم صاحب فرماتے ہیں کہ لفظ شکستن نے شعر کو پھیکا کر دیا ترکیب اردو میں فارسی کے
اور الفاظ لے لیتے ہیں لیکن فارسی مصدر کا استعمال سب نے اور مصنف مرحوم کے سوا اور کسی کے کلام
میں نظم ہو یا نثر ایسا نہیں دیکھا۔ فقط۔

مولانا کی اس تحریر نے مجھے تعجب میں ڈالدیا۔ اگر غالب چاہتا۔ تو یہ کہہ سکتا تھا۔ ٹوٹنے
سے بھی ہے دل نومید الخ۔ مگر غرض مصنف کی صرف لفظی عبارت ہے۔ کہ جس سے عبارت میں
اکثر ایسا حسن پیدا ہو جایا کرتا ہے جو اردو کے لفظ سے نہیں ہوتا۔ کہیں فارسی تراکیب کہیں
مصادر وغیرہ محض اسی لئے استعمال کرتے ہیں۔ مولانا نے یہ اور بھی ستم کیا ہے کہ یہ لکھدیا ہے
کہ کسی کے یہاں مصدر نہیں پایا جاتا کہ اردو میں استعمال کیا ہو۔ حالانکہ مومن ذوق میر سودا
وغیرہ سب کے یہاں اس صورت سے نظم میں مصدر پائے جاتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

میر
منسو کی بوند آنکھوں سے دونوں تو نکلتے لگ گئیں
اب کے چلید روز و شب خوب جگر کا لو ہوا

دلبہ کرنے لگا طبیب دل ناز
رنگ چہرے سے گر گیا پرواز

میکدہ گر چشم مست ناز سے پاوے شکست
موئے شیشہ دیدۂ ساغر کی مژگانی کرے

اگر میکدہ کو اسکی چشم مست کے مقابلہ میں شکست اٹھانی پڑے تو شیشوں میں جو بال پڑیں وہ
بھی دیدۂ ساغر کو حیران کر دیں گے۔ کیونکہ یہ بال ایک نگاہ مست کے اثر سے پڑے ہیں اور اسی
لئے انمیں بھی وہ تاثیر ہنوز موجود ہے۔

خط عارض سے لکھا ہے زلف کو الفت نے عہد
یک قلم منظور ہے جو کچھ پریشانی کرے

خط عارض ایک عہد نامہ ہے جسکو الفت نے لکھا ہے کہ زلف جسقدر پریشانی کرے وہ سب مجھے
منظور ہے یک قلم یہ لحاظ خط عارض۔ اور ذکر لکھنے کے نہایت مناسب لفظ ہے۔

وہ آکے خواب میں تسکین اضطراب تو دے
ولے مجھے تپش دل مجال خواب تو دے

وہ اتنا رحم کر سکتا ہے کہ خواب میں تسکین اضطراب دے سکتا ہے مگر مجھے میری بیتابی دل سونے تو دے
گفتی کہ بخواب اندر تسکین دہمت امشب
آما تو کجا آئی چوں خواب نمی آید

کرے ہے قتل لگاوٹ میں تیرا رو دینا
تری طرح کوئی تیغ نگہ کو آب تو دے

باتوں باتوں اور مذاق مذاق میں تیرا رو دینا مجھے قتل کئے ڈالتا ہے۔ کوئی تیری طرح تیغ نگاہ
کو آب دینا کیا جانے۔ کوئی اور ایسا کر کے دکھائے تو سہی۔

پلا دے اوک سے ساقی جو ہم سے نفرت ہے
پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے شراب تو دے

ساقی اگر تجھے ہمسے نفرت ہے تو خیر اپنا ساغر زریں ہمکو نہ دے مگر چلو سے تو پلا دے اسمیں تو کچھ
حرج نہیں پیالہ سے مطلب نہیں ہے ہمیں تو شراب سے کام ہے ذوق مرحوم کا اسی زمین میں
مطلع ہے کیا خوب کہا ہے۔

کہاں تلک کہوں ساقی کہ لا شراب تو دے
نہ دے شراب ڈبو کر کوئی کباب تو دے

دکھا کے جنبشِ لب ہی تمام کر ہم کو — نہ دی جو بوسہ تو منہ سے کہیں جواب تو دے

اگر بوسہ نہیں دیتا تو نہ دے اپنے منہ سے انکار تو کر کہ وہ جنبش لب ہمارا کام تمام کر دے۔ کہیں کہیں کے معنے یہ ہے۔ نہ کہ کوئی نہ کوئی کہے۔

شہ ہی بت سے نہیں سوال پھر اور — اپنے منہ سے جواب دیدے

اسدؔ خوشی سے مرے ہاتھ پاؤں پھول گئے — کہا جو اسنے ذرا میرے پاؤں داب تو دے

اسد میری نیک بختی قسمت کا کیا ذکر کروں۔ کہ اسنے کبھی نہ کبھی مجھے پاؤں دلوانے کی خدمت لی وہ بھی مجھسے اضطراب نے ادا نہونے دی ہاتھ پاؤں پھولنا مضطرب ہونے کے معنی میں ہے۔ یہ قافیہ خرد مرحوم نے بہت خوب کہا ہے۔

خشک دلوں کی اگر مشت خاک کی ہوس جمین — پڑے تو واقعی اکبار آگ اب تو دے

تپش سے میری وقفِ کشمکش ہر تارِ بستر ہے — مرا سر رنجِ بالیں ہے مرا تن بارِ بستر ہے

میرے تڑپنے سے ہر تار بستر کشمکش میں پڑا ہوا ہے میرے سر سے تکیہ کو اور میرے جسم سے بستر کو آزار پہنچ رہا ہے۔

سرشکِ سر بصحرا دادہ نور العینِ دامن ہے — دلِ بیدست و پا افتادہ برخوردارِ بستر ہے

وہ اشک جو میری کثرت گریہ کی وجہ سے سیل ہو ہو کر صحرا میں چلے گئے ہیں وہ نور العین دامن یعنی وہ صحرا کے دامن کے لئے مایۂ ناز اور باعث رونق ہیں اور میرا دل جو بیحس و حرکت اور بیدست و پا پڑا ہے بستر کے لئے سرمایۂ عشرت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اشک کی یہ کثرت ہے کہ وہ سیل بنکر جنگلوں میں جاتے ہیں اور میرا دل ایسا ضعیف ہے کہ وہ بستر پر پڑا رہتا ہے۔ سرشک کے لئے نور العین اور نور العین کے تقابل کے لئے برخوردار لایا گیا ہے۔

خوشا اقبالِ رنجوری عیادت کو تم آئے ہو — فروغِ شمعِ بالیں طالعِ بیدارِ بستر ہے

میری بیماری کے بڑے اچھے نصیب ہیں کہ تم عیادت کے لئے آئے ہو گویا میرا طالع

بیدار اس سے میرے بستر مرض کے لئے شمع بالیں بن گیا ہے۔

بہ طوفاں گاہِ جوشِ اضطرابِ شامِ تنہائی — شعاعِ آفتابِ صبحِ محشر تارِ بستر ہے

اضطراب شام تنہائی ایک طوفان ہے جسمیں ہر ایک تار بستر شعاع آفتاب قیامت معلوم ہوتا ہے پہلے مصرع میں چار اضافتیں ہیں۔ بعض محققین نے توالی اضافات کو عیب اور چار اضافتوں کے متواتر جمع ہونے کو ثقیل کہا ہے۔ گر یہ اُس حالت میں جب کلام میں ثقالت پیدا ہو جائے۔

ابھی آتی ہے بو بالش سے اُسکی زلفِ مشکیں کی — ہماری دید کو خوابِ زلیخا عارِ بستر ہے

ابھی میرے بستر کے تکیوں سے اسکی زلف معنبر کی خوشبو آ رہی ہے۔ یعنی شب وصل کو گذرے ہوئے کچھ زیادہ زمانہ نہیں ہوا۔ میری قوت دیدار ایسی ہے یہ خواب زلیخا۔ یعنی اپنے معشوق کا خواب میں دیکھنا باعث ننگ و عار ہے۔ یعنی اس سے زیادہ تو یہ خوشبو ہے جو تکیہ میں بسی ہوئی ہے یا یہ کہ وہ خواب میں میرا ہمخواب تھا اور اسکے اثر سے ابتک میرے تکیہ سے اُسکی خوشبودار زلفوں کی خوشبو کی لپٹیں آ رہی ہیں تو گویا اُسکا خواب میں دیکھنا میرے لئے باعث ننگ ہو گیا کہ دوسرے بھی یہ خوشبو سونگھ رہے ہیں۔ اور میں اس رشک کو گوارا نہیں کر سکتا۔

کہوں کیا دل کی کیا حالت ہے ہجرِ یار میں غالبؔ — کہ بیتابی سے ہر اک تارِ بستر خارِ بستر ہے

اوسکی جدائی میں اے غالب اپنے دلکی حالت کیا بیان کروں مختصر یہ ہے کہ میرے بستر کا ہر ایک تار کانٹا بنا ہوا ہے گویا میرے بستر پر کانٹے بچھے ہوئے ہیں۔

خطر ہے رشتۂ اُلفت رگِ گردن نہ ہو جائے — غرورِ دوستی آفت ہے تو دشمن نہ ہو جائے

یعنی ڈر ہے کہ یہ رشتہ الفت جو تجھ میں اور مجھ میں کمال کو پہونچ گیا ہے کہیں یہ رشتہ تیرے لئے شہ رگ نہ بن جائے اور اسکا تجھے غرور نہ ہو جائے کہ اُسکے عتاب اور سزا میں تو میرا دشمن ہو کر اس رشتہ کو قطع کرے اور اس سے میری گردن پر چھری چل جائے۔ رگ گردن چونکہ غرور کو بھی کہتے ہیں اسواسطے اس لفظ نے دھوکہ دیکر مولانا نظم کو یہ معنی بیان کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ جو مناسب مقام نہیں معلوم ہوتے معشوق سے خطاب ہے کہ میری

دوستی و محبت پر تجھے غضب کا غرور ہوا ہے (اقول) یہ امر خلاف واقعہ ہے معشوق کو عاشق کی دوستی پر غرور نہیں ہوتا۔ قال ایسا نہو کہ دشمنی کی طرف منجر ہو جائے (اقول کوئی وجہ نہیں ہے) اور یہ کہ الفت تیرے لئے رگ گردن ہو جائے۔ اور رگ گردن غرور کو کہتے ہیں (اقول حالانکہ پہلے فرما چکے ہیں کہ میری محبت و دوستی پر تجھے غضب کا غرور ہوا ہے۔ معلوم نہیں دوبارہ غرور کیسا + یعنی ایسا نہو کہ غرور میں اکثر دشمن کی طرح ہمیشہ مجھسے گردن ٹیڑھی رہے۔ اقول یہ تیسری مرتبہ وہی کلمے دہرا دیئے ہیں۔ معلوم نہیں مولانا نے کیا خیال کیا۔ کہ انھیں معانی کو تین مرتبہ دہرایا۔ اور جو حل یہ پہلے شعر کے الفاظ بالکل ان مضمون کے خلاف ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب مولانا حسرت صاحب کے یہاں بھی یہی معنی ہیں۔

سمجھ اس فصل میں کوتاہیِ نشو و نما غالب
اگر گل سرو کی قامت پہ پیراہن نہو جائے

اگر اس فصل میں سرو پر اسقدر پھول نہ آئیں کہ اسکو ڈھانک نہ لیں اور اسکا پیراہن نہ بنجائیں تو سمجھنا چاہیے کہ نشو و نمائے سبزہ کچھ بھی نہوئی۔ یعنی فصل میں سبزہ کے نشو و نما اور پھول کھلنے کی یہ کثرت ہے کہ سرو جس پر پھول نہیں آتے اوس پر بھی پھول آنے چاہئیں اور اسقدر آنے چاہئیں کہ پیراہن سرو ہو جائیں ایک عجیب صورت سے فصل کے سبزہ کے نشو و نما کی تعریف کی ہے کہ ساتھ ہی تصویر کھینچ دی ہے نہایت خوب شعر ہے۔

فریاد کی کوئی لے نہیں ہے
نالہ پابندِ نے نہیں ہے

فریاد کرنیکے لیے موسیقی اور ساز کی ضرورت نہیں ہے جسطرح چاہیئے رو یئے۔ مصنف نے ہندی کا قافیہ ایسی اچھی طرح نظم کیا ہے کہ اس سے بہتر قریب قریب مشکل ہے۔

کیوں بوتے ہیں باغبان تونبے
گر باغ گدائے مے نہیں ہے

اگر باغ گدائے مے نہیں ہے تو کیا سبب ہے کہ باغ میں تونبے بوئے جاتے ہیں ضرور یہ اوسکے کشکول گدائی کا کام دیتے ہیں۔

ہر چند ہر ایک شے میں تو ہے
پر تجھ سی تو کوئی شے نہیں ہے

اگرچہ تو ہر ایک شے میں ہے مگر عالم جسمانی میں کوئی شے ایسی نہیں ہے جو تجھ سے مشابہ ہو ہر ایک شے میں تیرا ظہور ہے اور سب سے جدا۔ باہمہ و بے ہمہ۔

ہاں کھائیو مت فریبِ ہستی
ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے

کہتا ہے کہ ہستی کا فریب نہ کھانا کوئی یہ کہے جائے کہ ہے تو یہی سمجھنا کہ نہیں ہے۔ ایسا ہی یہ شعر کہا ہے

ع شاہدِ ہستیِ مطلق کی کمر ہے عالم
لوگ کہتے ہیں کہ ہے پر ہمیں منظور نہیں

شادی سے گذر کہ غم نہووے
اردی جو نہو تو دے نہیں ہے

اگر چاہتا ہے کہ مجھے غم نہ اٹھانا پڑے تو شادی کو بھی چھوڑ دے کیونکہ اگر بہار کا موسم نہ ہو تو خزاں کا بھی اندیشہ نہ ہے ایسے ہی جسے عیش کی پروا نہیں ہے اوسکو تکلیف کا کیا غم۔

کیوں ردِ قدح کرے ہے زاہد
مے ہے یہ مگس کی قے نہیں ہے

اے زاہد شراب کا پیالہ تو کیوں واپس کرتا ہے کوئی یہ شہد تو ہے نہیں۔ مگس کی قے محض ردِ قدح کیوجہ سے لایا گیا ہے۔ یعنی مکھی پھول وغیرہ سے جو کچھ چوستی ہے وہ شہد بنکر منھ کی راہ سے واپس ہوتا ہے۔ اسی لوٹنے کی رعایت سے ردِ قدح کہا گیا۔ رد بھی قے کو کہتے ہیں۔

مرزا کے ایک مخالف نے ایک مرتبہ میرے سامنے اس شعر پر یہ اعتراض کیا کہ مگس کی قے صحیح نہیں ہے اتفاق سے مجھے ظہیر فاریابی کا یہ شعر یاد آگیا مصرع رشتۂ ترصد کہ قے کند زنبور میں نے پڑھا۔ مگر فرمانے لگے کہ اگر ظہیر فاریابی نے بھی یہ شعر کہا تو قریب قریب وہ بھی غلط ہے

ہستی ہے نہ کچھ عدم ہے غالب
آخر تو کیا ہے اے نہیں ہے

نہ ہستی کوئی شے ہے نہ عدم کوئی چیز ہے تو پھر اے جناب نہیں ہے صاحب یہ کچھ ہے بھی یا نہیں۔ از راہ شوخی نہیں ہے کو جو غزل ہذا کی ردیف ہے مرزا کا نام رکھ دیا گیا۔

نہ پوچھ نسخۂ مرہم جراحتِ دل کا
کہ اسمیں ریزۂ الماس جزوِ اعظم ہے

جراحت دل کے مرہم کا نسخہ کیا پوچھتا ہے جسمیں الماس کا ریزہ جزو اعظم ہے جو زخم کو بڑھا دیتا باقی اجزا نمک مشک وغیرہ ہیں۔

بہت دنوں میں تغافل نے تیرے پیدا کی — وہ اک نگہ جو بظاہر نگاہ سے کم ہے

تیرے تغافل سے ایک عرصہ دراز کے بعد ہم نے یہ فائدہ اٹھایا ہے کہ اب تو کبھی کبھی ایک دزدیدہ نگاہ ہم پر ڈال لیتا ہے۔ اگرچہ یہ نگاہ نگاہ نہیں کہی جا سکتی مگر تاہم۔ گندم اگر بہم نرسد جو غنیمت است۔ مولانا ظہوری فرماتے ہیں اور کیا خوب فرماتے ہیں۔

تو نظر باز نۂ ورنہ تغافل نگہ است — تو سخن فہم نۂ ورنہ خموشی سخن است

اس شعر نگہ کو نگاہ سے کم بتایا گیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ نگہ میں نگاہ سے ایک الف کم ہے۔

ہم رشک کو اپنے بھی گوارا نہیں کرتے — مرتے ہیں مگر اسکی تمنا نہیں کرتے

ہم میں رشک اتنا بڑھا ہوا ہے اور ایسے تنگی مزاج واقع ہوئے ہیں کہ مرے جاتے ہیں مگر اسکی تمنا نہیں کرتے اس مضمون کو مصنف نے کئی جگہ مختلف صورتوں میں ادا کیا ہے۔

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آجائے ہے — میں اُسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے

تکلف بطرف نظارگی میں بھی سہی لیکن — وہ دیکھا جائے کب یہ ظلم دیکھا جائے ہے مجھ سے

در پردہ انہیں غیر سے ہے ربط نہانی — ظاہر کا یہ پردہ ہے کہ پردہ نہیں کرتے

چونکہ وہ غیر سے پردہ نہیں کرتے اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ انہیں غیر سے در پردہ ربط ہے۔ اور محض بے لاگ ظاہر کرنے کی وجہ سے یہ پردہ کرنا چھوڑ دیا گیا ہے۔ اسیطرح ایک جگہ معشوق کو یہ ترکیب بتا چکے ہیں۔

ے دوستی کا پردہ ہے بیگانگی — منھ چھپانا ہم سے چھوڑا چاہیے

یہ باعث نومیدی ارباب ہوس ہے — غالب کو برا کہتے ہو اچھا نہیں کرتے

جو لوگ کہ آپ سے کچھ ہوس اور کچھ تمنا رکھتے ہیں اونکے سامنے آپ غالب کو برا کہتے ہیں یہ آپ کچھ اچھا نہیں کرتے وہ یہ سُن سُن کر نا امید ہوتے جاتے ہیں کہ جیسے آپ اسکو برا کہتے ہیں

ایسے ہی ہماری برائیاں اُن کے سامنے کی جائینگی۔ یہی مضمون ہے۔

ے ہم پیشہ و ہم مشرب و ہمراز ہے میرا — غالب کو برا کیوں کہو اچھا مرے آگے

کرے ہے بادہ ترے لب سے کسب رنگ فروغ — خط پیالہ سراسر نگاہ گلچیں ہے

بادہ تیرے لبوں سے رنگ فروغ حاصل کرتا ہے اور خط پیالہ نگاہ گلچیں ہے جو اس کسب رنگ کا لطف اٹھا رہی ہے۔

کبھی تو اس دل شوریدہ کی بھی داد ملے — کہ ایک عمر سے حسرت پرست بالیں ہے

میرے دل شوریدہ کی کبھی تو داد دے اور کبھی تو اسپر رحم کر کہ ایک مدت سے کم طاقتی کیوجہ سے بالین پر پڑا رہتا ہے۔ اور اپنی حسرت شوریدگی۔ یعنی دیوانگی و بیاباں گردی کو دبا دبا کر رکھتا ہے تو کم از کم کبھی تو ایسا کر کہ اسمیں یہ طاقت آئے کے اپنی حسرتوں کو پورا کر سکے اور اپنی صفت شوریدگی سے منصف ہو سکے۔

بجا ہے گر نہ سنے نالہائے بلبل زار — کہ گوش گل نم شبنم سے پنبہ آگیں ہے

اگر بلبل زار کے نالے نہ سُنے تو بجا ہے کہ پھول کے کان میں شبنم کی روئی بھری ہوئی ہے

اسدؔ ہے نزع میں چل بیوفا برائے خدا — مقام ترک حجاب و وداع تمکیں ہے

اے بیوفا اب اپنے شرم و حجاب تمکین و وقار کو چھوڑ اور چلکر اسد کو دیکھ لے کہ وہ نزع میں ہے اور اب کوئی دم میں دنیا کو خیرباد کہنے والا ہے۔ وہ سب کو چھوڑتا ہے تجھے ان سب تکلفات کو چھوڑ دینا موقع ہے۔

کیوں نہ ہو چشم بتاں محو تغافل کیوں ہو — یعنی اس بیمار کو نظارہ سے پرہیز ہے

آخر معشوقوں کی آنکھ عاشقوں سے تغافل کیوں نہ کرے۔ یہ ایک بیمار ہے۔ اور بیمار میں نظارہ سے اسکو پرہیز ہے۔ چستی بندش کے علاوہ مصنف نے یہ مضمون بالکل نیا کہا ہے۔

مرتے مرتے دیکھنے کی آرزو رہ جائیگی — وائے ناکامی کہ اُس کافر کا خنجر تیز ہے

ہم چاہتے تھے کہ مرتے وقت ہماری حسرت دیدار پوری ہو جائے۔ مگر وائے ناکامی کہ یہ آرزو بھی پوری نہ ہوگی کیونکہ میرے قاتل کا خنجر ایسا تیز ہے کہ دم بھر میں میرا فیصلہ کر دے گا۔ اور میں نظر بھر کے اوسکو دیکھنے بھی نہ پاؤنگا۔

عارضِ گل دیکھ روئے یار یاد آیا اسدؔ — جوشش فصل بہاری اشتیاق انگیز ہے

پھولوں کو دیکھکر اوسکا چہرہ مجھے یاد آتا ہے۔ فصل بہاری نے آکر میرا اشتیاق بڑھا دیا ہے اور زخم کو تازہ کر دیا ہے۔

سہ گلوں کو دیکھکر رخسار جاناں یاد آئینگے — ہرے ہو جائینگے داغ جگر میرے بہار میں

دیا ہے دل اگر اُسکو بشر ہے کیا کہئے — ہوا رقیب تو ہو نامہ بر ہے کیا کہئے

اگر میرے نامہ بر نے اُسکو دل دیدیا تو خیر کیا کہوں خیر وہ بلا سے میرا رقیب ہو گیا تو ہو جائے اوسکا نامہ بری کا احسان میری گردن پر ہے اُسے کیا کہوں دوسرے یہ کہ اُس سے خطا ہو گئی اور خطا خواص بشریت سے ہے۔ دوسرے یہ کہ بشر کی یہ مجال ہی نہیں ہے کہ اُسکو دل نہ دے۔

یہ ضد کہ آج نہ آئے اور آئے بن نہ رہے — قضا سے شکوہ ہمیں کسقدر ہے کیا کہئے

یوں تو موت ایک نہ اک دن ضرور آئیگی۔ مگر ہم جانتے تھے کہ آج ہے۔ مگر اُسکو یہ ضد ہے کہ آج نہ آئیگی۔ اسواسطے قضا سے ہمکو جو شکوہ ہے بیان نہیں کر سکتے۔ میر کا شعر ہے۔

سہ یوں تو آئیگی اجل ایک نہ اک دن آہی — مگر آتی شب فرقت تو مرے کام آتی

رہے ہے یوں گہ و بیگہ کہ کوئے دوست کو اب — اگر نہ کہئے کہ دشمن کا گھر ہے کیا کہئے

رقیب اسطرح وقت بیوقت تیرے پاس رہتا ہے کہ اب تیرے گھر کو بھی ہم دشمن کا گھر سمجھتے ہیں اسی مضمون کا شعر جو دوسرے طریقے سے ادا کیا گیا ہے یہ ہے۔

جاتا پڑا رقیب کے در پر ہزار بار — اے کاش جانتا نہ ترے رہگذر کو میں

زہے کرشمہ کہ یوں دے رکھا ہے ہمکو فریب — کہ بن کہے ہی انہیں سب خبر ہے کیا کہئے

اوسکی کرشمہ سازیوں کی کیا تعریف کروں اور اُسکے فریبوں کو کیا ظاہر کروں کہ مجھے یہ دم دے رکھا ہے کہ میرا حال بغیر کہے ہی ہم پر ظاہر ہے۔ اور اسوجہ سے میں کچھ کہہ بھی نہیں سکتا۔

میلی سہ دارد خموش تا من حسرت کشیدہ را — گوید شنیدہ ام سخن ناشنیدہ را

نظم صاحب لکھتے ہیں کہ میرے ساتھ اوسکا کرشمہ و اشارہ ایسا ہے کہ میں دھوکے میں آگیا ہوں اور دھوکے کا بیان دوسرے مصرع میں ہے۔

سمجھ کے کرتے ہیں بازار میں وہ پرسشِ حال — کہ یوں کہے کہ سرِ رہگذر ہے کیا کہئے

وہ ایسا عیار ہے کہ جان بوجھکر بازار میں مجھ سے میرا حال پوچھتا ہے۔ کیونکہ میں اپنی وضعداری کے سبب سے کہدوں گا کہ اب سرِ بازار باتیں کرنے کا کیا موقع ہے۔ اس سے مرزا کی وضعداری کے ساتھ ساتھ ہی گذشتہ تہذیب کی تصویر آنکھوں میں پھر جاتی ہے۔ کہ پہلے شرفا بازار میں باتیں کرنا بھی عیب سمجھتے تھے۔ ایسی ہی عیاری کا ایک شعر مرزا نے اور بھی کہا ہے۔

سہ کہتے ہیں جب رہی نہ مجھے طاقتِ سخن — جانوں کسی کا حال میں کیونکر کہے بغیر

تمھیں نہیں ہے سرِ رشتۂ وفا کا خیال — ہمارے ہاتھ میں کچھ ہے مگر ہے کیا کہئے

اس شعر کے دو معنے ہیں ایک یہ کہ مٹھی میں کوئی چیز لیے ہے اور عاشق معشوق سے پوچھتا ہے کہ ہمارے ہاتھ میں کیا ہے اور وہ نہیں بتا سکتا۔ اور عاشق یہ بھی کہتا ہے کہ سررشتۂ وفا کا تمکو کیا خیال ہوگا۔ مگر معشوق اسدرجہ وفا بیگانہ ہے کہ وہ بتانے پر سررشتۂ وفا کا خیال کرتا اور نہیں سمجھتا کہ سررشتۂ وفا کیا بلا ہے۔ مولانا نظم و حسرت دونوں کی شرحوں میں یہی معنے لکھے ہیں مگر میرے نزدیک یہ ایک تاویل ہے جو طبع سلیم پر گراں گذرتی ہے صاف صاف معنے یہ ہیں۔ کہ تم وہ تغافل شعار جفا کار ہو کہ تمھیں سررشتۂ وفا کا ذرا بھی خیال نہیں اور تم اُسکو چھوڑ چکے البتہ یہ سررشتہ ہمارے ہاتھ میں ابھی کچھ کچھ باقی ہے اگر کچھ ہے مگر ہے ضرور اب تم سے کیا کہیں۔

انہیں سوال پہ زعمِ جنوں ہے کیا لڑئیے — ہمیں جواب سے قطعِ نظر ہے کیا کہئے

انہیں ہمارے سوال پر ہمارے جنوں کا خیال پیدا ہوتا ہے کہ ہم دیوانہ وار کہتے ہیں اور ہمیں جواب دینے کی ضرورت نہیں۔ یا یہ کہ ہم کچھ سوال کرتے ہیں تو وہ ہم کو مجنون ٹھہراتے ہیں۔ لہذا ہم نے جواب کی امید ترک کر دی ہے۔ لہذا اب ان سے کیا کہیے۔ بقول جناب مولانا سید ابوالحسن صاحب ناطق مرحوم

ملتا ہے جواب اب تو نہ ہاں کا نہ نہیں کا ہر بات یہ کہتے ہیں وہ دیوانہ کہیں کا

حسد سزائے کمال سخن ہے کیا کیجے ستم بہائے متاع ہنر ہے کیا کہیے

کمال سخن کی سزا حسد ہے اور متاع ہنر کی قیمت ستم آسمان ہے لہذا کیا کہیے زمانہ کا دستور ہی یہ ہے۔ ایک ہمارے ہی ساتھ یہ برتاؤ نہیں ہوتا۔ عرفی کا شعر ہے۔

از من بگیر عبرت و کسب ہنر مکن با بخت خود عداوت ہفت آسمان مخرہ

کہا ہے کس نے کہ غالب برا نہیں لیکن سوائے اسکے کہ آشفتہ سر ہے کیا کہیے

یہ کون کہتا ہے کہ غالب برا نہیں ہے۔ نہیں برا ہے اور ضرور برا ہے مگر بس اتنا ہی برا ہے کہ غریب دیوانہ ہے۔ اور دیوانہ کو کچھ کہنا سننا بیکار ہے۔ سوا عربی کا لفظ ہے زیادہ کے معنے میں مگر سوائے علاوہ کے معانی میں ہند کر دیا گیا ہے۔ اور فارسی میں بھی یوں ہی مستعمل ہے۔

دیکھکر در پردہ گرم دامن افشانی مجھے کر گئی وابستہ تن میری عریانی مجھے

دامن افشاندن کے لغوی معنے تو تعلقات دنیا سے آزاد ہونے کے ہیں مگر مصنف مرحوم نے لغت کے معنے لیکر لفظی مناسبت سے بھی فائدہ اٹھایا ہے کہتے ہیں کہ میں بالکل آزاد ہونا چاہتا تھا اور اسی لیے میں نے دامن افشانی کی تھی۔ مگر اس دامن افشانی نے مجھے لوگوں کی نظر میں مقید تجسم ثابت کر دیا یعنی جب دامن افشانی کی تو دامن کا وجود خارج میں پایا گیا۔ اور دامن جزو لباس ہے اور لباس کے لیے جسم کی ہستی ضروری ہے تو گو میں نے لباس ظاہر سے دامن افشانی کی مگر لوگوں کی نظر میں میرا جسم ثابت رہا اور اسکی ہستی جس کو میں مٹانا چاہتا تھا برقرار رہی اسوجہ سے نتیجہ یہ نکلا کہ میں کامل آزاد نہ ہو سکا اور مقید تجسم ٹھہرا اور یہ سب میری عریانی یعنی بے تعلقی کا ستم ہے جسکے ہاتھوں میں پابند علائق ہوا گویا داغ۔

بعد مردن بھی خیال رخ قاتل ہے وہی جس سے ہم آنکھ چراتے تھے مقابل ہے وہی

بن گیا تیغ نگاہ یار کا سنگ فساں مرحبا میں کیا مبارک ہے گرانجانی مجھے

سنگ فساں وہ پتھر جس پر سان رکھی جاتی ہے اسکو یہاں مصنف نے مراد لیا ہے۔ کہتا ہے کہ میں اپنی سخت جانی کے سبب سے تیغ نگاہ یار کا سنگ فساں بن گیا ہوں۔ یعنی دن رات وہ تلوار میری گردن پر رگڑی جاتی ہے مگر پھر بھی موت نہیں آتی۔ سبحان اللہ میری گرانجانی کسقدر میرے لئے مبارک ثابت ہوئی ہے۔ دوسرا مصرعہ یا بطور طنز کے کہا ہے۔ یا واقعتاً مصنف نے اپنی گرانجانی کو اپنے حق میں فال نیک خیال کیا ہے کہ تیغ یار سے کچھ نہ کچھ تعلق تو ہے۔

کیوں نہو بے التفاتی اوسکی خاطر جمع ہے جانتا ہے محو پرسشہائے پنہانی مجھے

پرسش پنہاں سے مراد خواب میں آکر حال پوچھنا۔ یا خیال میں تسکین دینا۔ کہتا ہے اسکو میرے حال سے بے توجہی کیوں نہو۔ اور مجھ سے بے التفاتی کیوں نہ کرے اوسکو اطمینان ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ ہم جو پوشیدہ طریقہ سے اوسکے حال کی پرسش کرتے رہتے ہیں وہ اسی میں محو اور خوش ہے پھر ظاہرا توجہ کرنیکی کیا ضرورت ہے فارسی میں اس مضمون کو یوں کہا ہے غالب۔

باہمہ خرسندی از دی شکوہ ہا دارم ہمی تا نماند صید پرسشہائے پنہانی مرا
تکلف بر طرف لب تشنہ بوس و کنار ستم از آہم بار صید دام نوازشہائے پنہاں را

میرے غمخانہ کی قسمت جب رقم ہونے لگی لکھدیا منجملۂ اسباب ویرانی مجھے

جب کاتب تقدیر میرے غمخانہ کی قسمت لکھی تو منجملہ اسباب ویرانی کے ایک مجھکو بھی سبب ویرانی قرار دیا یعنی اپنے گھر کو اپنے ہاتھ سے خود برباد کروں گا۔

بدگماں ہوتا ہے وہ کافر نہو تا کاشکے اسقدر ذوق نوائے مرغ بستانی مجھے

میں چونکہ مرغ بستانی کی آواز سننے کا شائق ہوں کیونکہ وہ میرا حریف اور ہم پیشہ ہی جیسے حافظ کہتے ہیں

بنال بلبل اگر با منت سر یاریست کہ ہر دو عاشق زاریم و کار ما زاریست

تو وہ کافر سمجھتا ہے کہ یہ دوسری چیزوں کا بھی شوق اور عشق رکھتا ہے لہذا مجھ سے بدگمان ہوتا ہے

طوطی کا عکس ایسا نہ ہوتا۔ مجھے نوائے مرغ بستانی کا شوق نہ ہوتا۔

سہ کیا بدگمان ہے مجھ سے کہ آئینہ میں مرے   طوطی کا عکس سمجھے ہے زنگار دیکھ کر

وائے واں بھی شور محشر نے نہ دم لینے دیا   لیگیا تھا گور میں ذوق تن آسانی مجھے

میں اس لئے گور میں گیا تھا کہ غم و افکار سے نجات پاؤں مگر افسوس کہ وہاں بھی شور محشر نے میرا پیچھا نہ چھوڑا اور میرا ذوق تن آسانی پورا نہ ہونے دیا۔ اور آرام نہ کر سکا۔

سہ یاں فکر معیشت ہے واں دغدغہ حشر   آسودگی قسمت یہاں ہے نہ وہاں ہے

وعدہ آنے کا وفا کیجئے یہ کیا انداز ہے   تم نے کیوں سونپی ہے میرے گھر کی دربانی مجھے

آپ نے میرے گھر آنیکا وعدہ کیا تھا اسیوقت سے انتظار میں دروازہ پر کھڑا ہوا ہوں اور گویا اپنی دربانی آپ کر رہا ہوں۔ یہ کیا انداز ہے کہ آپ نے مجھے میرے گھر کا دربان بنا دیا ہے ذرا جلد وعدہ پورا کیجئے۔ اور تشریف لائیے۔

ہاں نشاط آمد فصل بہاری واہ واہ   پھر ہوا ہے تازہ سودائے غزلخوانی مجھے

اے آمد فصل بہار کی خوشی تیرا کیا کہنا۔ میں سودائے غزل خوانی دماغ سے نکال بیٹھا تھا مگر تیرے آنے سے پھر تازہ ہو گیا ہے۔

دی مرے بھائی کو حق نے از سر نو زندگی   میرزا یوسف ہے غالب یوسف ثانی مجھے

خدا نے میرے بھائی مرزا یوسف کو نئے سر سے زندگی دی یعنی بچا دیا۔ مرزا یوسف میرے لیے یوسف ثانی ہے گویا دوسرا یوسف ملا۔ یعنی یا تو وہ میری نظر میں ایسا ہی حسین و جمیل ہے جیسے حضرت یوسف دنیا کی نظر میں تھے۔ یا یہ کہ میرا بھائی اتنا بیمار ہو گیا تھا کہ بچنے کی ہرگز توقع نہ رہی تھی۔ گویا یہ یوسف وہ نہیں ہے دوسرا یوسف ہے۔

یاد ہے شادی میں بھی ہنگامہ یارب مجھے   سبحہ زاہد ہوا ہے خندہ زیر لب مجھے

عالم خوشی میں بھی میں بار بار یارب یارب پکار اٹھتا ہوں گویا میرا ہنسنا میرے لئے

تسبیح زاہد کا کام دے رہا ہے۔ کہ ہنستا ہوں اور یارب کہتا ہوں۔ قاعدہ ہے کہ شادی ہو یا غم ہر حالت میں دل میں ایک کیفیت سی پیدا ہوتی ہے اور آدمی کی زبان سے بیساختہ۔ یا اللہ یارب وغیرہ ایسے الفاظ نکل جاتے ہیں اوسی سے مصنف کی یہاں مراد ہے۔ خندہ زیر لب سے مراد وہ خندہ ہے کہ ازدیاد غم میں انسان مسکراتا ہے۔ اور سانس لیکر ایسے الفاظ کہہ اٹھتا ہے ارے مرے اللہ ارے میرے مالک۔ اسیکو مصنف مراد لیتا ہے اور کہتا ہے کہ بظاہر خوشی کی صورت ہے لیکن یہ ایسی تسبیح زاہد ہے جس سے مجھکو بس خدا ہی یاد آ رہا ہے۔ فارسی میں اسی خیال کی دوسرے الفاظ پر بنا رکھی ہے شعر۔

مبادا ہیچو تار سبحہ از ہم بگسلد غالب   نفس با این ضعیفی بر نتابد شور یارب را

مولانا نظم لکھتے ہیں کہ یارب کے معنے فارسی محاورہ میں خدا کی دہائی ہے اور سبحہ زاہد سے وہ ذکر خفی مراد ہے جو چپکے چپکے ہونٹوں میں کرتے ہیں کہتے ہیں کہ شادی میں بھی مجھے شور یارب نہیں بھولا ہے میرا خندہ زیر لب گویا زاہد کا ذکر خفی ہے۔

ہے کشاد خاطر وابستہ در رہن سخن   تھا طلسم قفل ابجد خانہ مکتب مجھے

واضح ہو کہ مکتب سے یہاں لغوی معنے مراد لئے ہیں یعنی جس جگہ بیٹھکر لکھیں۔ کہتا ہے کہ میرے دل کی کشایش اور خوشی گویا رہن سخن تھی۔ یعنی میری خوشی دل فکر شعر پر منحصر ہے خانہ مکتب یعنی جہاں میں بیٹھکر لکھتا ہوں طلسم قفل ابجد کا اثر رکھتا ہے۔ کہ جیسے ادھر اسکے حروف معینہ کو یکجا کیا اور ادھر وہ کھلا ایسے ہی اُدھر میں اپنے لکھنے کی جگہ پر پہونچا اُدھر میری طبیعت کو کشادگی حاصل ہوئی اور شعر کہنے شروع کئے۔

یارب اس آشفتگی کی داد کس سے چاہیئے   رشک آسایش پہ ہے زندانیوں کی اب مجھے

اے خدا اس پریشانی کی مجھے کون داد دے کہ قیدیوں کی آسایش پر اب مجھکو رشک آتا ہے یعنی اتنا پریشان ہوں کہ ان کو خود سے اچھا سمجھتا ہوں۔

طبع ہے مشتاق لذتہائے حسرت کیا کروں   آرزو سے ہے شکست آرزو مطلب مجھے

میری طبیعت لذت حسرت کی مشتاق رہتی ہے اور آرزو سے میں شکستن امید و آرزو مراد لیتا ہوں

دل لگا کر آپ بھی غالب مجھی سے ہو گئے — عشق سے آتے تھے مانع میرزا صاحب مجھے

جناب مرزا صاحب دل لگا کر آپ کی بھی میری جیسی حالت ہو گئی آپ تو ہمکو عشق سے منع کیا کرتے تھے آپ تو ہمارے بھائی بن گئے - صاحب بکسر حا مہملہ صحیح ہے مگر اردو فارسی میں چونکہ بفتح حا مستعمل ہے اسوجہ سے مطلب کے ساتھ اسکا قافیہ کرنا صحیح ہے -

حضور شاہ میں اہل سخن کی آزمائش ہے — چمن میں خوش نوایان چمن کی آزمائش ہے

آج دربار میں شعراء کی آزمائش ہے - دربار شاہی ایک چمن ہے اور شعراء خوش نوایان چمن ہیں - یہ بھی درباری شاعروں میں سے کسی مشاعرہ کی غزل ہے

قد و گیسو میں قیس و کوہکن کی آزمائش ہے — جہاں ہم ہیں وہاں دار و رسن کی آزمائش ہے

قیس اور فرہاد کے لئے تو معیار آزمائش لیلی اور شیریں کا قد اور گیسو ہے یعنی محض وہی دکھا کر انکی آزمائش کیجاتی ہے - اور مبتلائے بلا کیا جاتا ہے یا دیکھا جاتا ہے کہ یہ ان دونوں چیزوں یعنی قد و گیسو سے کسقدر محبت کرتے ہیں - مگر افسوس میرا ظالم و سفاک معشوق یہ کچھ نہیں کرتا اور وہ دار و رسن دکھا کر امتحان لیتا ہے - یا اس بلا سے مبتلا کرتا ہے -

کریں گے کوہکن کے حوصلہ کا امتحان آخر — ہنوز اس خستہ کے نیروئے تن کی آزمائش ہے

یعنی یہ نہ سمجھیے کہ جوئے شیر لانے کا حکم دینے سے کوہکن عشق کے امتحان میں پاس ہو گئے نہیں ابھی تو اس حکم سے مراد یہ ہے کہ اسکی قوت بازو کا امتحان کریں - ابھی اسکے حوصلہ دل اور عشق کے امتحان کا وقت نہیں آیا - وہ بھی آئیگا یعنی جب شیریں کی خبر بد لیجا کر اسکو سنائینگے اور وہ مر جائے گا - وہ امتحان عشق ہے - اور اس صورت سے گویا وہ اسمیں ناکامیاب رہیگا - کہ پہلے ہی سوال میں تیشہ کہا کر مر جائے گا -

نسیم مصر کو کیا پیر کنعاں کی ہوا خواہی — اسے یوسف کی بوئے پیرہن کی آزمائش ہے

نسیم مصر جو مصر سے خوشبوئے پیرہن یوسف لیکر آئی ہے تو اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ وہ

یعقوب علیہ السلام کی خیر خواہی کر رہی ہے - یہ سب غلط ہے وہ محض یوسف علیہ السلام کے پیرہن کی بو کا امتحان کرتی ہے کہ دیکھیں اسمیں کیا تاثیر یا کسقدر قوت ہے -

وہ آیا بزم میں دیکھو نہ کہیو پھر کہ غافل تھے — شکیب و صبر اہل انجمن کی آزمائش ہے

دیکھو ہم بتائے دیتے ہیں کہ غارت گر صبر و قرار وہ آیا - اپنے اپنے دل اپنے اپنے ہوش و حواس سے ہشیار ہو جاؤ - پھر یہ شکایت نہ کرنا کہ ہم غافل تھے اس لئے وہ لوٹ لے گیا - خوب شعر کہا ہے -

رہے دل ہی میں تیر اچھا جگر کے پار ہو بہتر — غرض شست بت ناوک فگن کی آزمائش ہے

اگر تیر دل میں رہ جائے تو اچھا اور جگر کو توڑتا ہوا پار نکل جائے تو اچھا - ہمارا مطلب تو یہ ہے کہ اس ناوک فگن کی چٹکی کا امتحان کریں کہ وہ کیونکر نشانہ اڑاتا ہے

نہیں کچھ سبحہ و زنار کے پھندے میں گیرائی — وفاداری میں شیخ و برہمن کی آزمائش ہے

نہ کچھ تسبیح شیخ میں رکھا ہے نہ زنار برہمن میں - بلکہ یہ بھی ایک آزمائش وفاداری کا ڈھنگ ہے اسکی تسبیح کے اور اسکی زنار کے ذریعہ سے وفاداری دیکھی جا رہی ہے -

پڑا رہ اے دل وابستہ بیتابی سے کیا حاصل — مگر پھر تاب زلف پر شکن کی آزمائش ہے

اے دل مبتلا تو کتنی مرتبہ تو امتحان کر چکا ہے کہ زلف کے پھندے سے نکلنا سخت دشوار ہے مگر پھر بھی تڑپ رہا ہے یہ غیر ممکن ہے کہ تو اس دام سے نجات پا سکے دوبارہ امتحان بیکار ہے بہتر یہی ہے کہ خاموش پڑا رہ -

رگ و پے میں جب اترے زہر غم تب دیکھیے کیا ہو — ابھی تو تلخی کام و دہن کی آزمائش ہے

ابھی تو زہر غم میرے کام و دہن تک ہی پہونچا ہے ابھی کیا ہے دیکھئے جب یہ زہر رگ رگ میں سرایت کریگا تو کیا ہوگا -

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا — آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

184

وہ آئیں گے مرے گھر وعدہ کیسا دیکھنا غالب
نئے فتنوں میں اب چرخ کہن کی آزمائش ہے

غالب تم کہتے ہو کہ وہ میرے گھر آئیں گے وعدہ کر لیا ہے یہ سب تمہارا خیال خام ہے وہ کیا آئیں گے بلکہ یوں سمجھو کہ آسمان کو نیا فتنہ اٹھانا منظور ہے نیا فتنہ اسوجہ سے کہا ہے کہ اول تو وہ وعدہ ہی نہ کرتے تھے۔ اب وعدہ کیا تو وعدہ خلافی کا صدمہ میرے لئے نیا ہے۔ دیکھئے کیا ہوگا۔

کبھی نیکی بھی اُسکے دل میں گر آ جائے ہے مجھ سے
جفائیں کر کے اپنی یاد شرما جائے ہے مجھ سے

اول تو اُسکے دل میں نیکی ہی نہیں آتی کہ مجھ پر مہربان ہو اور اگر کبھی ایسا اتفاق ہوتا ہے تو وہ اپنے ظلم و ستم سے شرما کر رہ جاتا ہے اور ندامت کی وجہ سے میرے پاس نہیں آ سکتا ایک جگہ یہی مضمون لکھ چکے ہیں

ع جور سے باز آئیں پھر باز آئیں کیا — کہتے ہیں ہم تجھکو منہ دکھلائیں کیا
دوستاں بحال ندارچہ جفا نیز کنند — از وفائے کہ نکردند حیا نیز کنند

خدایا جذبۂ دل کی مگر تاثیر الٹی ہے
کہ جتنا کھینچتا ہوں اور کھنچتا جائے ہے مجھ سے

یا الٰہی کیا میرے جذبۂ دل کی تاثیر اُلٹی ہے کہ جسقدر میں اوسکو کھینچتا ہوں وہ مجھ سے کھنچتا ہے یعنی میں وصل چاہتا ہوں اور جدائی ہوتی جاتی ہے۔

وہ بدخو اور میری داستان عشق طولانی
عبارت مختصر قاصد بھی گھبرا جائے ہے مجھ سے

میرا قاصد بھی مجھ سے گھبرا جاتا ہے کیونکہ وہ یعنی میرا معشوق ٹھہرا بدخو۔ اور میرا قصہ غم ٹھہرا طلسم ہوشربا تو قاصد کہتا ہے کہ کہیں میرے شامت نہ آجائے وہ تیری داستان سنینگے کب اور مجھ پر بھی خفا ہونگے۔ اور اس صورت سے گویا میرا پیغام یا میرا حال کسیطرح اُس تک نہیں پہونچ سکتا

اُدھر وہ بدگمانی ہے اِدھر یہ ناتوانی ہے
نہ پوچھا جائے ہے اُس سے نہ بولا جائے ہے مجھ سے

وہ بدگماں ہے کہ میرے عشق و محبت کے دعوے کو غلط جانتا ہے یا یہ خیال کرتا ہے کہ میں اس سے کچھ بات کہوں گا تو دنیا والے خدا جانے کیا اپنے دلمیں سمجھیں گے اس سے وہ تو میرا حال پوچھ نہیں سکتا۔ میں ناتوان ہوں اسوجہ سے بغیر پوچھے اپنا حال سُنا نہیں سکتا۔ شعر میں تقابل

کی وجہ سے ایک عجیب حسن پیدا ہو گیا ہے۔ فارسی میں کہتے ہیں:

ع عشقت و ناتوانی حشمت و سرگرانی — جور و جفا تمام مہر و وفا ندارد

سنبھلنے دے مجھے اے ناامیدی کیا قیامت ہے
کہ دامان خیال یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے

اے ناامیدی مجھے ایسا نحیف و کمزور نہ کر کہ اُس کا دامن خیال میرے ہاتھ سے چھوٹ جائے یعنی اتنا ستم نہ کر کہ اوس کا خیال دل سے نکل جائے۔

تکلف برطرف نظارگی میں بھی سہی لیکن
وہ دیکھا جائے کب یہ ظلم دیکھا جائے ہے مجھ سے

اوسکا دیکھنے والا میں خود ہی کیوں نہوں مگر مجھے اس سے بھی رشک آتا ہے اور میرا دل نہیں چاہتا یعنی رشک مجھے اجازت نہیں دیتا کہ اوسے کوئی دیکھے۔ یہی مضمون کئی جگہ گذر چکا ہے مثلاً

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آ جائے ہے — میں اُسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے
ع میروم زیں کوئے واز رشک محبت میروم — بسکہ با من آشنا گشتی ز غیرت میروم

ہوئے ہیں پاؤں ہی پہلے نبرد عشق میں زخمی
نہ بھاگا جائے ہے مجھ سے نہ ٹھہرا جائے ہے مجھ سے

پہلے عشق کی لڑائی میں میرے پاؤں ہی زخمی ہوئے ہیں۔ لہٰذا نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن کا حساب ہو رہا ہے ع نے بھاگنے کی گوں نہ اقامت کی تاب ہے۔

قیامت ہے کہ ہووے مدعی کا ہمسفر غالب
وہ کافر جو خدا کو بھی نہ سونپا جائے ہے مجھ سے

غالب کیا قیامت ہے کہ جس کافر کو رشک کے مارے خدا کو بھی نہیں سونپ سکتا۔ یعنی رسم کی موافق خدا حافظ بھی نہیں کہہ سکتا۔ وہ میرے دشمن کا ہمسفر ہوتا ہے۔ غالب مرحوم تو اس شعر کو نہایت بے تکلفی سے کہہ گئے ہیں مگر عارف نے نہایت سنبھال کر یہ مضمون لکھا ہے

ع نہ خداوند کو گر پاک و منزہ سمجھوں — کب گوارا ہو مجھے تجھ پہ نگہباں کرنا

زبسکہ مشق تماشا جنوں علامت ہے
کشاد و بست مژہ سیلی ندامت ہے

چونکہ ہر وقت مصروف تماشا رہنا علامت جنون ہے تو اس وجہ سے ہر وقت پلکوں کا کھلنا اور بند ہونا کھٹکتا ہے کہ آنکھوں پر تیر لگائے جا رہے ہیں۔ بیدل نے یہ مضمون یوں لکھا ہے۔

ع دیدہ راکہ بنظارۂ دل محرم نیست　　　مژہ برہم زدن از دست ندامت کم نیست

یعنی جو آنکھیں کہ اپنے دل کے سوا کسی دوسری شے کے نظارہ میں مصروف ہیں۔ ان کے لئے کشاد و بست مژہ گویا اسکی ندامت ہے۔ مرزا غالب مرحوم نے ضرور اسی شعر کا یہ ترجمہ کیا ہے مگر جو کچھ بیدل نے کہا ہے وہ مرزا غالب نہیں کہہ سکے۔ بیدل نے ایک جگہ اور یہ مضمون لکھا ہے اور وہ اس سے بھی بہتر ہے ۔

ستم است اگر ہوست کشد کہ بسیر سرو سمن درآ　　　تو ز غنچہ کم نہ دمیدۂ در دل کشا بچمن درآ

نہ جانوں کیونکہ مٹے داغ طعن بد عہدی　　　تجھے کہ آئینہ بھی ورطۂ ملامت ہے

نہیں معلوم تیرا بد عہدی کا داغ کس طرح اور کس پانی سے مٹے گا۔ آئینہ دیکھنا تیرے لئے ورطۂ ندامت ہے کیونکہ اس سے آرائش مقصود ہے اور ایسی سخت بد عہدی کے بعد جس نے مجھے مٹا دیا اور تیرے دامن پر داغ بدنامی لگا دیا آئینہ دیکھنا اور پھر آرائش کرنا ورطۂ ملامت ہونا چاہیئے اور اسمیں ڈوب جانا چاہیئے یعنی بد عہدی کرکے مجھکو مٹانے کے بعد تجھے آرائش ترک کر دینی چاہیے۔ اس شعر کو بھی نظم صاحب نے قریب قریب یہی معنی بتایا ہے۔

بہ پیچ و تاب ہوس سلک عافیت مت توڑ　　　نگاہ عجز سر رشتۂ سلامت ہے

ہوس کا بل اور پیچ تاب دے دے کر رشتۂ عافیت کو نہ توڑ۔ بس عاجز بنا ہوا نگاہ عجز سے دنیا کا نظارہ کرتا رہ۔ یہ تار نگاہ عجز رشتۂ سلامتی ہے۔

وفا مقابل و دعوائے عشق بے بنیاد　　　جنون ساختہ و فصل گل قیامت ہے

معشوق وفا کے لئے تیار ہے مگر دعوائے عشق رقیب بے بنیاد ہے فصل گل موجود ہے مگر جنون جھوٹا ہے

لاغر اتنا ہوں کہ گر تو بزم میں جا دے مجھے　　　میرا ذمہ دیکھ کر گر کوئی بتلا دے مجھے

میں تیرے عشق میں اتنا دبلا ہو گیا ہوں کہ اگر تو مجھے اپنی بزم میں بلائے تو مجھے کوئی دیکھ نہ سکے گا یا دیکھ کر کوئی پہچان نہ سکیگا۔

کیا تعجب ہے کہ اسکو دیکھ کر آ جائے رحم　　　واں تلک کوئی کسی حیلہ سے پہونچا دے مجھے

فصاحت کے یہ معنے ہیں کہ مختصر الفاظ میں مطالب کثیر ادا کئے جائیں جیسے کہ اس شعر میں جسکے یہ معنے ہیں کہ کہنے والا اپنے ذہن میں یہ سمجھ چکا ہے کہ وہ مجھ پر کبھی رحم نہ کرے گا۔ اور یہ اس وجہ سے کہ اسکو معشوق کی بزم میں جانے کا موقع ہی نہیں مل سکتا ہے وہ اسی رنج میں نہایت دبلا اور نحیف و زار ہو جاتا ہے۔ اور جب اس کا نہایت حال تباہ ہو گیا ہے تو وہ خیال کرتا ہے اور درد دل سے تنگ ہو کر پکار اٹھتا ہے کہ کیا تعجب ہے وہ میرا حال دیکھ کر مجھ پر رحم کرے کوئی کسی طرح سے اسکے پاس مجھ کو پہونچا دے۔

منھ نہ دکھلائے نہ دکھلا پر بانداز عتاب　　　کھول کر پردہ ذرا آنکھیں ہی دکھلا دے مجھے

اے ظالم بیرحم سفاک اگر تجھے یہ منظور نہیں ہے کہ اپنا منھ مجھے دکھائے تو خیر تیری خوشی میں میں بھی خوش ہوں منھ نہ دکھا۔ مگر کبھی غصہ سے چشم نمائی تو کر۔

یاں تلک میری گرفتاری سے وہ خوش ہے کہ میں　　　زلف گر بنجاؤں تو شانہ میں الجھا دے مجھے

میری گرفتاری اور میرے آزار دینے سے وہ۔ اتنا خوش ہے کہ اگر میں زلف بنکر اسکی شان معشوقی بڑھاؤں تو وہ مجھے آزار دینے کے لئے شانہ میں الجھا دے۔

بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے　　　ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

دنیا میری نظر میں ایک بچوں کا کھیل ہے اور میں اسکو تماشہ سمجھتا ہوں۔

اک کھیل ہے اورنگ سلیماں مرے نزدیک　　　اک بات ہے اعجاز مسیحا مرے آگے

تخت سلیمان کی میرے نزدیک کھیل سے زیادہ وقعت نہیں ہے اور اعجاز مسیحا یعنی قم کو میں ایک بات سمجھتا ہوں اکبات ہی محاورہ ہے ناچیز سمجھنے کے معنے میں۔

بز نام نہیں صورت عالم مجھے منظور — جز وہم نہیں ہستی اشیا مرے آگے

عالم ہستی کی میرے سامنے کوئی ہستی نہیں ہے بس میں اسکو ایک نام سمجھا ہوا ہوں اور ہستی اشیا کو ایک وہم جانتا ہوں۔ وہم وہ ہی جسکا وجود کچھ بھی نہو۔

ہوتا ہی نہاں گرد میں صحرا مرے ہوتے — گھستا ہی جبیں خاک پہ دریا مرے آگے

میں اپنے جنوں کے عالم میں اسقدر خاک اڑاتا ہوں کہ صحرا گرد میں چھپ جاتا ہے اور دریا از راہ عجز یا بوجہ تاثیر درد کے میرے سامنے خاک پر پیشانی رگڑتا ہے یا یہ کہ میری اشکباری دیکھکر وہ عاجز ہو جاتا ہے۔

مت پوچھ کہ کیا حال ہی میرا ترے پیچھے — تو دیکھ کہ کیا رنگ ہی تیرا مرے آگے

یہ کیا پوچھتا ہے کہ میرا تیرے پیچھے کیا حال رہتا ہے بس بعینہ یہی کیفیت ہوتی ہے جیسی کہ تیری حالت میرے سامنے ہوتی ہے کہ بیقرار اور شرمایا ہوا رنجیدہ سا بیٹھا رہتا ہے ایسا ہی میں بھی رہتا ہوں یا یہ کہ تو اپنے حسن کو میرے سامنے ذرا دیکھ کہ تو کتنا حسیں ہے اور پھر خیال کر کہ تیرے پیچھے میرا کیا حال ہونا چاہئے۔ گویا ؎

فراق زدۂ تو زندگی چہ حسرت ایں — تو خود در آئینہ بنگر کہ چیست حال مرا

سچ کہتے ہو خود بین و خود آرا ہوں نہ کیوں ہوں — بیٹھا ہے بت آئینہ سیما مرے آگے

یہ بالکل سچ ہے کہ میں خود بیں اور خود آرا ہوں مگر ایسا نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے جب تجھسا حسین آئینہ سیما میرے سامنے بیٹھا ہوا ہے تو میں جو کچھ ہوں سب صحیح ہے

پھر دیکھئے انداز گل افشانی گفتار — رکھدے کوئی پیمانہ و صہبا مرے آگے

کوئی ایک شراب ناب کا چھلکتا ہوا ساغر میرے سامنے رکھدے اور پھر میری گل افشانی دیکھے

عرفی بیا بادہ کہ جانم دمی ز نالہ بر آید — ہزار زمزمہ از دل بیک ترانہ بر آید

نفرت کا گماں گذرے ہی میں رشک سے گذرا — کیونکر کہوں لو نام نہ انکا مرے آگے

ناصح میرے سامنے آپ کا نام لیتا ہے اور میں رشک سے اتنا بھی نہیں چاہتا کہ کوئی تیرا نام میرے سامنے لے مگر جو یہ کہتا ہوں کہ ان کا نام میرے سامنے نہ لو تو یہ پہلو بھی نکلتا ہے کہ لوگ سمجھیں گے مجھے ان کے نام سے نفرت ہو گئی۔ لہذا میں ایسے رشک سے باز آیا۔ جسمیں ایسی خفت کا لوگوں کو خیال پیدا ہو کر جو ایک عاشق صادق کے لئے باعث ننگ ہے۔ مجبوراً سنتا ہوں دیکھئے حکیم مومن خاں صاحب نے بھی یہی خیال ظاہر کیا ہے مگر انصاف یہ ہے کہ مومن خاں کے یہاں بندش اتنی چست ہو گئی ہے کہ غالب کے شعر سے بہت بڑھا ہوا ہے ؎

نہ مانوں گا نصیحت پر نہ سنتا میں تو کیا کرتا — کہ ہر اک بات میں ناصح تمہارا نام لیتا تھا

ایماں مجھے روکے ہی جو کھینچے ہی مجھے کفر — کعبہ مرے پیچھے ہی کلیسا مرے آگے

میں عجیب کشمکش میں پڑا ہوا ہوں کہ ایمان مجھے روکتا ہے اور کفر کھینچتا ہے ادھر کعبہ ہے ادھر کلیسا ہے بمثل شعر کہا ہے۔ اور خصوصاً یہ مصرع کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے۔ ایسا ہے کہ اگر دیوان کے دیوان اسپر سے صدقہ کر دئے جائیں تو بجا ہے۔

عاشق ہوں پہ معشوق فریبی ہی مرا کام — مجنوں کو برا کہتی ہے لیلا مرے آگے

ہوں تو میں عاشق مگر ایسا چالاک عاشق ہوں کہ معشوقوں کو بھی فریب دیتا ہوں لیلے میرے سامنے مجنوں کو برا کہتی ہے اور میری تعریف کرتی ہے۔

خوش ہوتے ہیں پر وصل میں یوں مر نہیں جاتے — آئی شب ہجراں کی تمنا مرے آگے

میں شب ہجر میں یہ دعا مانگتا تھا کہ یا اللہ اگر مروں تو وصل کی شب میں مروں ہجر میں ناکام مرنا تو برا ہے لہذا آج شب وصل وہ میرا چاہا میرے سامنے آگیا۔ اور شادی مرگ ہو گئی۔ ورنہ وصل میں خوشی ہوا کرتی ہے یوں مر نہیں جایا کرتے۔ یہ وہی مضمون ہے جیسا کہ سعدی نے ایک حکایت میں کہا ہے۔

؎ یکے تشنہ می گفت و جاں می سپرد — خنک نیک بختے کہ در آب مرد

ہے موجزن اک قلزمِ خوں کاش یہی ہو
آتا ہے ابھی دیکھئے کیا کیا مرے آگے

میرے دل میں ایک قلزم خوں جوش مار رہا ہے کاش یہی ہو کہ ایک خون کا دریا بہا کر مجھے نجات ملجائے مگر ایسا نہیں ہے خدا جانے عشق میں ابھی کیا کیا طوفان دیکھنے نصیب ہوں گے

گو ہاتھ میں جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

اگرچہ ضعف کے ہاتھوں ہاتھ ہلانا دشوار ہے۔ اور شراب اب پی نہیں سکتا ہوں پھر بھی آنکھوں میں ابھی دم باقی ہے کہ اسکو دیکھ رہا ہوں۔ لہذا ابھی ساغر و مینا کو میرے سامنے رکھا رہنے دو کہ اسکے دیکھنے سے دل کو تسکین دتیا رہوں غالب نے اس غزل میں یہ شعر سب شعروں سے اچھا کہا ہے۔

ہم پیشہ و ہم مشرب و ہمراز ہے میرا
غالب کو برا کیوں کہو اچھا مرے آگے

چونکہ وہ میرا ہم پیشہ اور ہم مشرب ہے لہذا آپ اوسکو برا کہتے ہیں تو گویا مجھے برا کہتے ہیں اسیطرح مجھے آپ برا سمجھے ہوں گے ؎

یہ باعث نومیدیٔ ارباب ہوس ہے
غالب کو برا کہتے ہو اچھا نہیں کرتے

کہوں جو حال تو کہتے ہو مدعا کہئے
تمہیں کہو کہ جو تم یوں کہو تو کیا کہیے

میں اپنا حال سنانے اور دکھڑا رونے کو آپکے سامنے بیٹھتا ہوں تو بغیر سنے ہی آپ فرما دیتے ہیں کہ مطلب کہیے مطلب۔ حالانکہ تم میرے مطلب سے بھی خوب واقف ہو پھر بھلا اسی حالت میں آپ سے کچھ کہنے کی کیا جرأت ہو۔

؎ نہیں ہے طاقتِ گفتار اور اگر ہو بھی
تو کس امید پہ کہئے کہ آرزو کیا ہے۔

نہ کہو طعن سے پھر تم کہ ہم ستمگر ہیں
مجھے تو خو ہے کہ جو کچھ کہو بجا کہیے

ذرا براہ کرم غصہ میں طعن اور طنز کی راہ سے یہ نہ فرمایا کیجیے کہ ہم ظالم ہیں مجھے آپ کی ہر ایک جا و بیجا بات پر (بجا و درست) کہنے کی عادت ہے کہیں ایسا نہو کہ اسپر بھی میں بجا

کہہ بیٹھوں اور آپ کو پھر اور ناگوار گذرے اور میری شامت آجائے۔

وہ نیشتر سہی پر دل میں جب اتر جائے
نگاہِ یار کو پھر کیوں نہ آشنا کہیے

مانا کہ نگاہ یار نشتر ہے۔ اور اسی لئے وہ میرے دلمیں اتر گئی ہے مگر میں کہتا ہوں کہ جو چیز دل میں سما جائے اور اتر جائے تو وہ محبوب ہے۔

نہیں ذریعۂ راحت جراحتِ پیکاں
وہ زخمِ تیغ ہے جسکو کہ دلکشا کہیے

پیکاں کے زخم سے دل کو کچھ تسلی نہیں ہوتی اور وہ خوش نہیں ہوتا بلکہ جس زخم سے میرے دلکشائی ہوتی ہے اور جس سے مجھے تفریح ہوتی ہے وہ زخم تیغ ہے۔ لفظ دلکشا میں ایہام ہے۔ یہ کہ زخم تیغ دلکشا ہوتا ہے کہ دل کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے راحت اور جراحت میں تجنیس ہے ؎

ہر دل کہ نہ زخمے خورد از تیغ تو دانیست ؛

؎ حسرت اگر دم بزن تیغ و در بر روے دل بکشا
دلم تنگست کار از زخم پیکان برنمی آید

جو مدعی بنے اوسکے نہ مدعی بنیئے
جو ناسزا کہے اوسکو نہ ناسزا کہیے

جو کوئی دشمن ہو جاے اوس سے دشمنی نہ کیجئے جو برا کہے اوسے برا نہ کہیے۔ سعدی فرماتے ہیں۔

؎ بدی را بدی سہل باشد جزا
اگر مردی احسن الٰی من اسا

(مدعی بنیے) کا ٹکڑا برا ہے۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسے جلال مرحوم کا یہ مصرعہ۔ کہ سب ترے ناز ہیں گو زندہ ہی کرنے والے۔

یہ عیب شاعری تنافر کے نام سے موسوم ہے اسکا امتیاز محض مذاق سلیم و صحیح پر مبنی ہے گو اہل بلاغت نے تنافر کے یہی معنے اور تعریف لکھی ہے کہ ایسے الفاظ قریب المخرج جمع ہو جائیں جنکے ادا کرنے میں زبان کو تکلیف کی ضرورت ہو۔ مگر نہیں یہ بھی ایک قسم کا تنافر ہے کہ ترکیب الفاظ سے کوئی ایسا لفظ بنجائے جسمیں رکاکت اور ذم کا پہلو نکلے۔ جیسے یہی (مدعی بنیے) یا جیسے منہ تمہارا ہے اور میری نظر۔ منہ تو دیکھو آئینہ کا یہ صفائی لا سکے۔ پہلے مصرعہ کے پڑھنے سے موت مارا۔ اور دوسرے سے موتو دیکھو پیدا ہوتا ہے یاد دست و پا و نیگے گواہی مری روز محشر

یاد دینگے۔ غرض کہ ایسے کلمات سے جنمیں کوئی ذم کا پہلو پیدا ہوتا ہو تا ہوا حتراز واجب ہے۔

کہیں حقیقت جانکاہی مرض لکھئے — کہیں مصیبت ناسازی دوا کہیے

ہماری حالت یہ ہے کہ کہیں جانکاہی مرض کی حقیقت لکھتے ہیں کہیں مصیبت ناسازی دوا بیان کرتے ہیں۔

کبھی شکایت رنج گراں نشیں کیجئے — کہیں حکایت صبر گریز پا کہیے

کہیں اپنے سنگیں غم والم کا دکھڑا روئیں اور کہیں صبر گریز پا کی حکایت بیان کریں۔

رہے نہ جان تو قاتل کو خوں بہا دیجئے — کٹے زبان تو خنجر کو مرحبا کہیے

اگر جان جاتی رہے تو اس کے صلہ میں قاتل کو دیت دیجئے۔ زبان کٹ جائے تو خنجر کو تحسین و آفریں کہیے۔

نہیں نگار کو الفت نہ ہو نگار تو ہے — روانی روش و مستی ادا کہیے

اگر معشوق مجھ سے محبت نہیں کرتا تو کیا اس سے اسکی شان معشوقی میں کوئی فرق آیا جاتا ہے اسکا ہمکو ضرور اعتراف کرنا چاہیئے اوس کی رفتار کی روانی اور اُسکی مست ادا اوس کا ذکر کریں۔

نہیں بہار کو فرصت نہ ہو بہار تو ہے — طراوت چمن و خوبی ہوا کہیے

معشوق مثل ایک بہار کے ہے جسکو قیام نہیں مگر کیا اس بے ثباتی سے طراوت چمن اور خوبی ہوا پر کوئی حرف آسکتا ہے۔ بس بالکل یہی معشوق کی حالت ہے۔ مصنف نے یہ پانچ شعر ایک قطعہ کی صورت میں کہے ہیں جس کا ماحصل یہ ہو کہ ہماری قسمت میں یہی ہے کہ ہم مصیبت میں مبتلا رہیں جیساکہ پہلے تین شعروں سے ظاہر ہے اور اس بلا میں مبتلا رہکر معشوق کو مورد الزام نہ ٹھہرائیں وہ پھر معشوق ہے ہمپر آفت آنیسے یا اسکی ہمارے ساتھ بیوفائی سے اسپر کچھ حرف نہیں آسکتا۔

سفینہ جبکہ کنارہ پہ آلگا غالبؔ — خدا سے کیا ستم و جور ناخدا کہیے

یعنی میں کنارہ پر آکر ڈٹ رہا ہوں اب خدا سے ناخدا کے ظلم کی کیا شکایت کروں۔ اوسنے کیا کیا یا یہ کہ اگرچہ ناخدا نے مجھ پر بیحد و حساب ظلم کئے مگر وہ وقت گذر گیا۔ اب کیا گذشتہ باتوں کو یاد کریں۔

رونے سے اور عشق میں بیباک ہو گئے — دہوئے گئے ہم اتنے کہ بس پاک ہو گئے

جسقدر ہم عشق میں روئے رسوا ہوتے گئے اور بیباکیاں بڑھتی گئیں۔ گویا دُہل دُہلا کر پاک یعنی پکے رند ہو گئے اب ہمکو کسیکا خوف ہی باقی نہیں رہا۔

صرف بہائے مے ہوئے آلات میکشی — تھے یہ ہی دو حساب سو یوں پاک ہو گئے

ہمارے دو حساب تھے۔ ایک شرابخواری کی فکر دوسرے آلات میکشی سو آلات میکشی یعنی ساغر وغیرہ کو بھی بیچ کر شراب پی گئے اور یہ دونوں حساب بھی یوں پاک ہو گئے اب کوئی جھگڑا نہیں رہا۔

رسوائے دہر گو ہوئے آوارگی سے ہم — بارے طبیعتوں کے تو چالاک ہو گئے

خیر اگرچہ آوارگی سے ہم زمانہ بھر میں بدنام ہو گئے۔ مگر ذرا چونچال تو ہوئے عقل و حواس ٹھکانے لگے۔

۵ پڑا ہوں سنگ راہ غیر ہو کر کوئے جاناں میں — سنا ہی آدمی کچھ ٹھوکریں کھا کر سنبھلتا ہے

کہتا ہے کون نالۂ بلبل کو بے اثر — پردے میں گل کے لاکھ جگر چاک ہو گئے

یہ کون کہتا ہے کہ نالہ بلبل بے اثر ہے۔ کیا دیکھتا نہیں ہے اوسکی لستگی خاطر نے یہ اثر کیا ہے کہ گل کے لاکھ جگر شگفتگی کے پردہ میں چاک ہو گئے۔ گویا دل کھلے نہیں بلکہ فریاد بلبل سے اون کا جگر چاک ہو گیا۔

189

پوچھے ہے کیا وجود و عدم اہل شوق کا
آپ اپنی آگ کے خس و خاشاک ہو گئے

اہل شوق کے وجود و عدم کا حال نہ پوچھو وہ اپنی آگ میں آپ جل گئے ہیں تو گویا نہ ان کا وجود ہے نہ عدم۔

کرنے گئے تھے اوس سے تغافل کا ہم گلہ
کی ایک ہی نگاہ کہ بس خاک ہو گئے

اہل شوق کے وجود و عدم کا حال نہ پوچھو وہ اپنی آگ میں آپ جل گئے ہیں تو گویا نہ ان کا وجود مٹانے کے لیئے ہماری طرف نظر اٹھائی مگر دیکھنے کی ہم میں تاب نہ تھی جلکر خاک ہو گئے۔

؎ اے دل ناعاقبت اندیش ضبط شوق کر
کون لا سکتا ہے تاب جلوۂ دیدار دوست

اس رنگ سے اوٹھائی کل اُسنے اسدؔ کی نعش
دشمن بھی جسکو دیکھ کے غمناک ہو گئے

یعنی کچھ ایسے رنج و غم سے اُسنے لاش اٹھائی کہ دشمنوں کو رنج ہوا رشک سے یا اُس بُرے طریقہ سے میری لاش اپنے کوچے سے اُٹھوائی کہ دشمنوں کو بھی ترس آیا اور صدمہ ہوا۔

نشئہ ہا شاداب رنگ و ساز ہا مست طرب
شیشۂ مے سرو سبز جوئبار نغمہ ہے

نشہ رنگ محفل سے خوش ہے اور ساز خوشی کے مارے مست طرب ہو رہے ہیں شیشۂ مے سرو سبز جوئبار نغمہ بنا ہوا ہے۔ مصنف نے بہار کا سماں دکھایا ہے اگرچہ الفاظ سخت ضرور ہیں مگر خوب ہی لکھا ہے یعنی نغمہ ایک جوئبار ہے شیشۂ مے سرو لب جو یہ حالت دیکھکر نشہ اور ساز دونوں خوش ہیں یہی تشبیہ شیشۂ مے کی سرو کے ساتھ دوسری جگہ ہم لکھ آئے ہیں۔

ہمنشیں مت کہہ کہ برہم کر نہ بزم عیش دوست
واں تو نالہ کو بھی میرا اعتبار نغمہ ہے

اے ہمنشیں یہ تیرا فکر فضول ہے کہ دوست کی بزم عیش کو رو کر خراب نہ کر وہاں تو میرا نالہ بھی نغمہ کا کام دیتا ہے۔ پھر اُسکی محفل کو اس سے زینت ہو گی یا بزم خراب ہو گی۔

؎ دور چشم بد تری بزم طرب سے واہ واہ
نغمہ بنجاتا ہے گر نالہ بھی میرا جائے ہے

عرض ناز شوخی دنداں برائے خندہ ہے
دعوئ جمعیت احباب جائے خندہ ہے

ہنسنے کے وقت گویا دانت اپنی شوخی ناز کا اظہار کرتے ہیں یعنی اونکی چمک دمک وغیرہ ہنسنے پر کھلتی ہے اور دانت چونکہ ایک دوسرے سے ملے ہوئے اور قریب ہیں اسواسطے ان کو جمعیت احباب سے تشبیہ دیتے ہیں۔ اور یہ گویا دوست ہیں۔ مگر اسی دعوی کو مصنف دلیل کی صورت میں پیش کرتا ہے۔ کہ دنیا کے دوستوں کی جمعیت جائے خندہ ہے۔ یعنی دانت جمع ہیں اور اپنی شوخی ناز وغیرہ کا اظہار کرتے ہیں تو ہنسی آتی ہے۔

ہے عدم میں غنچہ محو عبرت انجام گل
یکجہاں زانو تامل در قفائے خندہ ہے

یعنی غنچہ ہنوز عدم میں ہے ہستی میں نہیں ظاہر ہوا۔ مگر انجام گل کی عبرت پر محو ہو رہا ہے یکجہاں زانو تامل سے مراد ہے فکر بیحد یعنی وہ غنچہ سوچتا ہے کہ خندہ کے پیچھے بہت سا فکر پوشیدہ ہے یا یہ کہ غنچہ جب کھل گیا تو گویا وہ معدوم ہو گیا اور پھول موجود ہو گیا تو وہ غنچہ اب عدم میں پھول کے انجام پر فکرمند ہے اور یہ خیال اوسکو کھلجانے کے پیچھے پیدا ہوا ہے۔

کلفت افسردگی کو عیش بیتابی حرام
ورنہ دنداں در دل افشردن بنائے خندہ ہے

ہماری افسردگی میں وہ کلفت ہے جسمیں بیتابی جو خود باعث تکلیف ہی وہ عیش معلوم ہوتی ہے۔ اور عیش و سرور کے لوازم سے ہنسی بھی ہے۔ مطلب یہ ہی کہ ہماری افسردگی مجبور ہے کہ اسمیں بیتابی کی عیش حرام ہے ورنہ ہمارے انشراح خاطر یعنی دل کے خوش ہونے اور پھول کی طرح کھل جانے کے لئے سہل ترکیب موجود ہے کہ بیتاب ہوکر دل کو چبا ڈالیں اور اسمیں زخم ڈالدیں۔ کہ اس سے وہ ہنستا معلوم ہو فارسی میں یوں کہا ہے۔ میسر از عیش نومیدی کہ دنداں در دل افشردن۔ اساس محکمے باشد بہشت جاودانی را۔
یا یہ کہ ہم افسردگی سے مجبور ہیں جسکے مذہب میں عشق بیتابی حرام ہے ورنہ اپنے دل کو زخمی کرنا اور خون بنا یہ تو عین خوشی کی جگہ ہے اور اس سے فخر کرنا چاہیئے۔

سوزش باطن کے ہیں احباب منکر ورنہ یاں
دل محیط گریہ و لب آشنائے خندہ ہے

احباب سوزش باطن کو نہیں مانتے کیونکہ وہ اُس سے واقف نہیں ہیں ورنہ دراصل ہماری کیفیت یہ ہے کہ ہمارے لبوں پر ہنسی ضرور ہے اور دل میں دریائے نالہ موجزن ہے۔

حُسن بے پروا خریدارِ متاعِ جلوہ ہے — آئینہ زانوئے فکرِ اختراعِ جلوہ ہے

حُسن ظاہرا بے پروا ہے مگر دراصل بے پروا نہیں ہے وہ بھی جلوہ کا خریدار اور خواہشمند ہے اور آئینہ اوسکے لئے زانوئے فکر بن گیا ہے کیونکہ اوسکو دیکھکر وہ اختراع جلوہ کی فکر میں محو و مصروف رہتا ہے۔ یہی مضمون ہے ؎

پوچھ مت رسوائیٔ اندازِ استغنائے حسن — دست مرہونِ حنا رخسار رہنِ غازہ تھا

تاکجا اے آگہی رنگِ تماشا باختن — چشمِ واگردیدہ آغوشِ وداعِ جلوہ ہے

اے آگاہی اور ہوشیاری یہ رنگ تماشا کرنے کا تو کب تک اختیار کئے رہیگی یوں سمجھ لے کہ تیری آنکھ جو اسکے دیکھنے کے لئے کھلی ہوئی ہے۔ یہ وہ آغوش کشادہ ہے جو رخصت کے وقت کھولتے ہیں یعنی جلوۂ جہان فانی بر سر وداع ہے اور اسکے دیکھنے کے لئے آنکھ کھولنی آغوش وداع ہے مرزا عبد القادر بیدل کہتے ہیں کہ ؎

چشم واکردن کفیل فرصت نظارہ نیست — پرتو این شمع آغوش وداع محفل است

یعنی آنکھ کھلنا یا آنکھ کھولنا اس بات کا کفیل نہیں ہے کہ تو نظارہ کر سکے بلکہ اس شمع یعنی آنکھ کی روشنی آغوش کشادۂ وداع محفل ہے۔

مصنف نے بھی ایک جگہ نئی صورت سے ایسا ہی مضمون یوں ادا کیا ہے۔

آغوش گل کشادہ برائے وداع ہے — اے عندلیب چل کہ چلے دن بہار کے

جب تک دہانِ زخم نہ پیدا کرے کوئی — مشکل کہ تجھ سے راہِ سخن وا کرے کوئی

یعنی جبتک کوئی زخم پیدا نہ کرے یعنی تیری تیغ عشق یا تیغ ستم سے مجروح نہو اوسوقت تک تجھ سے باتیں کرنا دشوار ہے۔ گویا تجھ سے باتیں کرنے کے لئے دہان زخم کی ضرورت ہے

عالم غبارِ وحشتِ مجنوں ہے سربسر — کبتک خیالِ طرۂ لیلا کرے کوئی

دنیا ایک وحشت کدہ ہے جہاں خاک اُڑ رہی ہے یعنی سر بسر پریشان ہے اسے کوئی کب تک تجاہل سے زینت عالم سمجھا کرے۔ اسکی مثال ایسی ہے کہ جیسے مجنوں کے وحشت میں اڑائے ہوئے غبار کو کوئی پریشانی کی وجہ سے طرۂ لیلا سے مشابہ کرے۔

دوسرے معنے یہ ہیں کہ دنیا میں غبار وحشت مجنوں اُڑ رہا ہے آخر اسے کوئی کبتک نہ دیکھے اور لیلے کا کوئی کہانتک خیال کیا کرے۔ یعنی بمقابلہ حسن لیلا کے عشق مجنوں زیادہ قابل دید ہے یا یہ کہ مجنوں کی اسدرجہ پریشانی اور وحشت پر نگاہ نہ ڈالنا۔ اور اس غبار سے آلودگی طرۂ لیلا کا لحاظ کرنا ظلم ہے۔

افسردگی نہیں طرب انشائے التفات — ہاں درد بن کے دلمیں مگر جا کرے کوئی

میرے دل میں درد نے اتنی جگہ نہیں چھوڑی کہ کسی دوسری صورت سے کوئی شے داخل ہو سکے میری افسردگی اتنی بڑھگئی ہے کہ معشوق۔ یا کسکے التفات سے دلمیں خوشی کو پیدا نہیں ہونے دیتی گویا میرے دل میں سوائے درد کے اور کسیطرح سے کسی شئے کی گنجایش محال ہے

دوسرا پہلو یہ ہے کہ خالی افسردہ ہوکر رہجانے سے کوئی معشوق کے التفات کی خوشی نہیں پیدا کر سکتا ہاں کوئی سراپا درد بنجائے تو اُسکے دل میں جگہ پانا ممکن ہے۔

یا یہ کہ افسردگی سے التفات معشوق کی خوشی نہیں ہو سکتی البتہ کوئی سراپا درد بنجائے تو اُسکے التفات کو خوش کر سکتا ہے۔ طرب انشا کی ترکیب اسوجہ سے غلط ہے کہ لفظ دونوں عربی ہیں۔ اور معانی فارسی ترکیب کے پیدا ہوتے ہیں یقیناً مصنف نے طرب افشائے کہا ہے۔ اور کاتبوں نے انشا لکھدیا۔

رونے سے اے ندیم ملامت نہ کر مجھے — آخر کبھی تو عقدۂ دل وا کرے کوئی

اے ہمنشیں میں روتا ہوں تو مجھے ملامت نہ کر میرے دلکے غم کی گتھی کسیطرح تو سلجھے۔

چاک جگر سے جب رہِ پرسش نہ وا ہوئی — کیا فائدہ کہ جیب کو رسوا کرے کوئی

ہم نے اپنا جگر تک چاک کر لیا۔ مگر اُسنے ہمارا حال نہ پوچھا تو اس لئے اب گریبان پھاڑنے سے کیا فائدہ ہے۔ اس سے اُسکو کیا پروا ہوگی سوائے اسکے کہ اور ہم بدنام ہو جائیں اور

(191)

اپنے گریباں کو رسوا کرلیں۔

لختِ جگر سے ہے رگِ ہر خار شاخِ گل — تا چند باغبانیِ صحرا کرے کوئی

میرے لختِ جگر ہر خار پر الجھے ہوئے ہیں اور اس صورت سے تمام جنگل ایک لالہ زار معلوم ہوتا ہے اب یہ کثرت ہے تو کہانتک اسکی باغبانی کیا کریں۔

ناکامیِ نگاہ ہے برقِ نظارہ سوز — تو وہ نہیں کہ تجھکو تماشا کرے کوئی

تجھکو نظر دیکھ نہیں سکتی ہے۔ اور ناظر کے لئے اوسکی نگاہ کی ناکامی برقِ نظارہ سوز ہے ورنہ تیرے جلوہ کا کوئی قصور نہیں ہے اس مضمون کو بھی مصنف نے مختلف صورتوں میں لکھا ہے مثلاً۔

ے جب وہ جمالِ دلفروز صورتِ مہرِ نیمروز — آپ ہی ہو نظارہ سوز پردہ میں منھ چھپائے کیوں

ے اے دل ناعاقبت اندیش ضبطِ شوق کر — کون لا سکتا ہے تابِ جلوۂ دیدارِ دوست

مصنف کے اس انداز بیان کی تعریف نہیں ہو سکتی ہے کہ ذرا سے تغیر سے مضمون کو بالکل علیحدہ کر دکھاتے ہیں۔

ہر سنگ و خشت ہے صدفِ گوہرِ شکست — نقصاں نہیں جنوں سے جو سودا کرے کوئی

جنوں سے سودا کرنے میں نقصان نہیں ہے اس واسطے کہ ہر سنگ و خشت جو لڑکے دیوانے کو مارتے ہیں وہ صدف ہیں جنسے شکستِ سر کے دیوانے کو موتی حاصل ہوتے ہیں۔

سر بر ہوئی نہ وعدۂ صبر آزما سے عمر — فرصت کہاں کہ تیری تمنا کرے کوئی

تیرا وعدہ صبر آزما ہے یعنی انتظار طلب ہے اس سے ہماری عمر جیت نہ سکی تیرا وعدہ پورا نہوا اور ہماری عمر ختم ہو گئی لہذا اتنی کسے فرصت ہے کہ تیری تمنا کرے۔ جبتک تیرا وعدہ پورا ہوگا موت آجائیگی مرزا داغ نے گویا اسکی شرح کی ہے ے

جبتک کہ ہو وعدہ پیمانِ زندگی کہاں — مجھسے زیادہ عہد ترا استوار ہے

موقوف وصلِ یار ہے گویا وصال پر — اک عمر چاہیئے کہ تمنا کرے کوئی

ہے وحشتِ طبیعتِ ایجاد یاس خیز — یہ درد وہ نہیں کہ نہ پیدا کرے کوئی

ایجاد سے مراد غالباً عالم ایجاد ہے اس صورت میں یہ معنی پیدا ہوتے ہیں کہ عالم ایجاد کی طبیعت ہی میں وحشت ہے اور یہ وحشت یاس خیز اور مایوس کن۔ بلکہ یہ یاس ایک درد ہے جو ہر ساکن ایجاد کے دلمیں پیدا ہونا ضروری ہے نظم صاحب لکھتے ہیں۔ کہ معانی آفرینی و خلاقی مضامین و اختراع لطائف ایسا وحشی فن ہے جس سے یاس پیدا ہوتی ہے پھر بھی سب اس مرض میں مبتلا ہیں۔

مولانا حسرت صاحب فرماتے ہیں۔ ایجاد کی طبیعت میں جو وحشت ہے وہ یاس خیز ہے یعنی ہم وحشی لوگ یاس کو ایجاد کیا کرتے ہیں اور اسطرح گویا مایوس ہونے پر مجبور ہیں۔

بیکاریِ جنوں کو ہے سر پیٹنے کا شغل — جب ہاتھ ٹوٹ جائیں تو پھر کیا کرے کوئی

ے پھٹ گیا جب سے گریباں تب سے — ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں

مگر مصنف کہتا ہے کہ جب گریبان و دامن وغیرہ کا فیصلہ ہو جائے اور سب چاک ہو جائیں تو جنوں بیکار ہو جاتا ہے مگر اُس حالت میں مجنوں کا کام یہ ہے کہ سر پیٹے۔ مگر اُسوقت کیا کرے جب سر پیٹتے پیٹتے ہاتھ ٹوٹ جائیں۔ نہایت ہی عمدہ شعر کہا ہے۔ اسکی تعریف ممکن نہیں ہے

حسنِ فروغِ شمعِ سخن دور ہے اسدؔ — پہلے دلِ گداختہ پیدا کرے کوئی

پہلے کوئی دلِ گداختہ پیدا کرے تب شمعِ سخن کو فروغ ہو سکتا ہے ظاہر ہے کہ فروغ ہونے میں شمع کو سوز و گداز بھی ضرور ہوتا ہے۔ غالباً کسی پر اپنے معاصرین میں سے یہ چوٹ کی گئی ہے۔

ابنِ مریم ہوا کرے کوئی — میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

اگر کوئی مُردوں کو زندہ کرتا ہے تو کرے کوئی عیسیٰ نفس ہے تو ہو میں تو جب جانوں جب کوئی میرے دکھ کی دوا کرے۔

شرع و آئین پر مدار سہی ‌ ‌ ‌ ایسے قاتل کا کیا کرے کوئی

ہم نے مانا کہ شرع اور قانوں کی موافق قاتل کو سزا دیجاتی ہے یا اُس سے دیت لیجاتی ہے
مگر جیسا قاتل کہ میرا ہے ایسے قاتل کا کوئی کیا کرے جو بغیر تلوار کے قتل کرے۔

چال جیسے کڑی کمان کا تیر ‌ ‌ ‌ دل میں ایسے کے جا کرے کوئی

اوسکی چال ایسی دل کے پار ہو جاتی ہے جیسے کڑی کمان کا تیر۔ مزا جب ہے کہ ایسے
کے دل میں کوئی گھر کرے۔

بات پر واں زبان کٹتی ہے ‌ ‌ ‌ وہ کہیں اور سنا کرے کوئی

وہاں بات کرنے میں بھی زبان کٹتی ہے بس اوسکے سامنے چپ بیٹھا ہوا جو کچھ وہ کہیں سنا کرے

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ ‌ ‌ ‌ کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

خدا جانے اپنے جنوں میں کیا کیا کہہ رہا ہوں خدا کرے کوئی ان باتوں کو نہ سمجھے

نہ سنو گر برا کہے کوئی ‌ ‌ ‌ نہ کہو گر برا کرے کوئی

اگر تمھارے منھ پر تمھیں کوئی برا کہے تو اس کان سے سنو اور اُس سے اڑا دو۔ اور
اگر کوئی برا کرے تو اُس کو دیکھ کر پردہ پوشی کرو۔

روک لو گر غلط چلے کوئی ‌ ‌ ‌ بخش دو گر خطا کرے کوئی

اگر کوئی غلط رستہ پر چل رہا ہے تو اُسکو آگاہ کر دو اور روک دو اگر کوئی جرم کرے
تو اسکی خطا معاف کر دو۔

کون ہے جو نہیں ہے حاجت مند ‌ ‌ ‌ کسکی حاجت روا کرے کوئی

دنیا میں کوئی حاجت روا نہیں ہے سب حاجتمند ہیں لہذا کون کسکی ضرورت پوری کرے

یا حاجتمند تو سبھی ہیں کسکی کسکی حاجت روائی کرے۔

کیا کیا خضر نے سکندر سے ‌ ‌ ‌ اب کسے رہنما کرے کوئی

دنیا میں خضر جیسا کوئی رہنما نہیں ہے مگر وہ بھی سکندر کو چشمہ الحیوان تک نہ پہونچا سکے پھر
کوئی کسے رہنما کرے اور کون کسکی رہنمائی کر سکتا ہے۔ جناب رشید شاگرد مولانا امید صاحب کا شعر ہے

نکالے گا کوئی اُسکے سوا کیا لجۂ غم سے ‌ ‌ ‌ خدا بن بیٹھنا اچھا نہیں ہے ناخدا ہو کر
سیہ بختاں قسمت راچہ سود از رہبر کامل ‌ ‌ ‌ کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را
جناب خضر تو خود راستہ بتاتے ہیں ‌ ‌ ‌ جہاں میں کسکو کرے کسکو رہنما نہ کرے

جب توقع ہی اُٹھ گئی غالب ‌ ‌ ‌ کیوں کسی کا گلا کرے کوئی

یعنی اگر کوئی امید ہو کہ گلہ کرنے سے کچھ مطلب نکل جائے گا تو گلہ ہی کرے اور جب
ہر طرح امید ہی منقطع ہو گئی ہو تو پھر کسیکا گلہ شکوہ کرنے سے کیا نتیجہ اور فائدہ ہے۔

باغ پا کر خفقانی یہ ڈراتا ہے مجھے ‌ ‌ ‌ سایۂ شاخ گل افعی نظر آتا ہے مجھے

باغ نے چونکہ سمجھ لیا ہے کہ میں ایک خفقانی ہوں لہذا وہ مجھکو ڈرا رہا ہے۔ اور اسکی ہر شاخ
گل کا سایہ مجھے سانپ نظر آتا ہے۔ خفقان میں اکثر ڈر معلوم ہوتا ہے۔ اسی مضمون کا شعر
ذوق مرحوم کا ہے۔

؎ سایہ سرو چمن تجھ بن ڈراتا ہے مجھے ‌ ‌ ‌ اژدہا بن بن کے شب آئے اُڑنگ گلشن آب میں
اگرچہ مطلب ذوق کا یہی ہے کہ میں دیوانہ ہو رہا ہوں مگر ظاہر ہے کہ جس انداز سے غالب نے کہا ہے
وہ ذوق کے یہاں نہیں ہے یہی سبب ہے کہ غالب کے یہاں جو مضمون ہیں اگرچہ وہ دوسری جگہ
بھی پائے جاتے ہیں مگر جیسا انداز بیان غالب کو ملا۔ وہ دوسرے کو نصیب نہیں ہوا مولانا حالی
نے ایک شعر نظیری کا اس شعر کے ساتھ لکھا ہے۔ اور بتایا ہے کہ غالب کا ذہن نظیری کے
اس شعر سے ادھر منتقل ہوا ہے۔

؎ بزیر شاخ گل افعی گزیدہ بلبل را ‌ ‌ ‌ نوا گراں نخوردہ گزند را چہ خبر
بہت ممکن ہے کہ ایسا ہو۔ مگر ہمارے نزدیک غالب مرحوم نے مضمونکو بالکل علیحدہ کر کے کہا ہے

جوہر تیغ بہ سرچشمۂ دیگر معلوم ہوں میں وہ سبزہ کہ زہراب اگاتا ہے مجھے

جیسے کہ تلوار کا جوہر زہراب میں بجھانے سے پیدا ہوتا ہے اور یہ سبزہ یعنی جوہر تلوار کسی دوسرے سرچشمہ سے نہیں اُگتا ہے اسیطرح میری پیدائش بھی زہراب غم سے ہوئی ہے

مدعا محو تماشائے شکست دل ہے آئینہ خانہ میں کوئی لئے جاتا ہے مجھے

کوئی مجھکو آئینہ خانہ میں لئے جاتا ہے اور اس کا اس لیجانے سے مطلب یہ ہے کہ وہاں میرا دل ٹوٹے اور میں اپنے ٹوٹے ہوئے دل کے تماشے میں محو ہوں۔ اور میرا دل ٹوٹنا اسپر منحصر ہے کہ میں حیران ہوں گا اور اس سے اور میرا دل ٹوٹے گا۔

یا میرا مدعا اب تماشائے دل شکستہ میں محو اور مصروف ہو رہا ہے گویا میرا دل ایک آئینہ تھا جسکے ٹوٹنے سے ایک آئینہ خانہ بن گیا۔

یا میرا مدعا اسمیں مصروف اور محو ہے کہ میرے دل کو جو آئینہ کی طرح حیران ہے توڑے اور یہ ظاہر ہے کہ عدم حصول مدعا سے میرا دل ضرور ٹوٹے گا۔ تو گویا اس حالت میں مدعا ہی میرا دل توڑنے کے درپے ہے اور خود بھی وہ اس آئینہ خانہ کی جو ٹوٹے ہوئے دل کے ٹکڑوں سے بنیگا سیر کرنا چاہتا اور مجھے بھی یہ سیر دکھانی چاہتا ہے۔ اور اسطرح سے گویا وہ مجھکو آئینہ خانہ کی طرف لیجا رہا ہے۔

نالہ سرمایۂ یک عالم و عالم کف خاک آسمان بیضۂ قمری نظر آتا ہے مجھے

عالم کا سرمایہ نالہ ہے یعنی اسمیں نالہ کے سوائے کچھ بھی نہیں ہے کیونکہ یہ دار المحن ہے اور عالم ایک کف خاک ہے تو گویا آسمان جس کے نیچے یہ عالم آباد ہے ایک بیضۂ قمری ہے جس کے نیچے قمری جو رنگ خاک سے مشابہ ہوتی ہے موجود ہے۔ یعنی دنیائے حقیقت اور رونے کی جگہ ہے آسمان کو بوجہ خاکستری ہونے کے قمری کہا گیا ہے اور قمری چونکہ ایک طائر نوا سنج بھی ہے اس لئے دنیائے نالہ کش سے بھی اوسکو تشبیہ دی گئی ہے۔

زندگی میں تو وہ محفل سے اٹھا دیتے تھے دیکھوں اب مر گئے پر کون اٹھاتا ہے مجھے

زندگی میں تو اُن کا یہ طریقہ تھا کہ وہ مجھے محفل سے اٹھا دیا کرتے تھے اب کہ اس رنج میں میں وہاں مرگیا ہوں دیکھئے وہ اٹھاتے ہیں یا نہیں اُٹھاتے۔ یا یہ کہ دیکھیں اب کیسے اٹھا دیں گے یعنی اونکو میرے اٹھانے سے انکار اور نفرت ہوگی۔

بہت سہی غم گیتی شراب کم کیا ہے غلام ساقی کوثر ہوں مجھکو غم کیا ہے

میں نے مانا کہ غم دنیا بہت ہیں مگر شراب بھی تو میرے لئے بہت ہے کہ میں ساقی کوثر کا غلام ہوں شراب پی پی کر اون سب غموں کو فراموش کرتا رہوں گا۔ لہذا غموں کی زیادتی کا مجھکو کیا غم ہوا کریں میرا کیا بنا لینگے۔

تمھاری طرز و روش جانتے ہیں ہم کیا ہے رقیب پہ ہے اگر لطف تو ستم کیا ہے

تمھاری طرز و روش کو ہم خوب سمجھتے ہیں کہ تم کسی پر مہربان بھی ہوتے ہو تو ظلم کرنے کے لیے ہوتے ہو لہذا اگر رقیب پر مہربان ہو تو یہ کیا ستم ہے۔ وہی اسپر بھی ظلم کرتے ہو گے۔

سہ تو دوست کسیکا بھی ستمگر نہوا تھا اور وں پہ ہے وہ ظلم جو مجھ پر نہوا تھا

سخن میں خامۂ غالب کی آتش افشانی یقیں ہے ہمکو بھی لیکن اب اسمیں دم کیا ہے

ہم جانتے کہ غالب بڑے پایہ کا شاعر سخن فہم ہے اور اسکا خامہ اسمیں آتش افشانی کرتا ہے مگر اب اسمیں دم نہیں رہا عاجز ہو گیا ہے

روندی ہوئی ہے کوکبۂ شہریار کی اترائے کیوں نہ خاک سر رہگذار کی

کوکبہ وہ سوار جو بادشاہ کی اردلی میں رہیں۔ خاک سر راہ اترا رہی ہے اور اسکا اترانا اسلئے حق بجانب ہے کہ بادشاہ کے کوکبہ کی روندی ہوئی ہے۔ اس سے بادشاہ کی تعریف مقصود ہے یعنی جب بادشاہ کے اردلیوں کے روندنے سے خاک کو یہ فخر ہوتا ہے تو زہے نصیب اوسکے جسپر بادشاہ مہربان ہو۔

جب اس کے دیکھنے کے لئے آئیں بادشاہ لوگوں میں کیوں نمود نہ ہو لالہ زار کی

194

یعنی جب بادشاہ اوسکے دیکھنے کے لئے آئے تو لا محالہ لوگوں میں کیوں نہ مشہور ہوجاتا ہے کہ کوئی کیوں نہ دیکھے۔

بھوکے نہیں ہیں سیر گلستاں کے ہم ولے — کیونکر نہ کھائیے کہ ہوا ہے بہار کی

اگرچہ سیر گلستاں کے ہم بھوکے نہیں مگر ہوائے بہار ایسی شے ہے کہ یہ ضرور اپنی طرف متوجہ کرلیتی ہے اور اسکی طرف ضرور متوجہ ہونا چاہیئے۔ یہ ایسی نہیں کہ اس سے بھی استغنا کیا جائے۔

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے — بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

ہزاروں خواہشیں ایسی دل میں اب بھی موجود ہیں کہ ہر خواہش کے لئے جان نکلتی ہے میرے ارمان اگرچہ بہت سے نکل چکے لیکن پھر بھی بہت سے موجود ہیں۔ گویا آدمی کی خواہش کبھی پوری نہیں ہوسکتی۔ مرزا داغ مرحوم کا مطلع اس زمین میں بہت ہی خوب ہے فرماتے ہیں ؎

ذرا اگر تو درسینہ پر کہ تیر اسے پر ستم نکلے — جو یہ نکلے تو دل نکلے جو دل نکلے تو دم نکلے

ڈرے کیوں میرا قاتل کیا رہیگا اوسکی گردن پر — وہ خوں جو چشم تر سے عمر بھر یوں دم بدم نکلے

میرا قاتل اس سے ڈرتا ہے کہ میرا خون اوسکی گردن پر رہیگا۔ مگر اوسکا یہ ڈر فضول اور عبث ہے کیونکہ میرا خون ایک جگہ رہتا ہی نہیں ہے۔ آنکھ سے دمبدم نکلتا ہے تو اسکی گردن پر کیا ٹھیریگا غالبًا یہ مضمون مصنف نے نیا کہا ہے۔

نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے تھے لیکن — بہت بے آبرو ہوکر ترے کوچے سے ہم نکلے

آدم کا خلد سے نکلنا سنا تھا۔ مگر جیسے کہ ہم بے آبرو ہوکر تیرے کوچے سے نکلے ہیں ایسے وہ نہ نکلے تھے۔

بھرم کھل جائے ظالم تیری قامت کی درازی کا — اگر اس طرۂ پر پیچ و خم کا پیچ و خم نکلے

تیرا قد لمبا اور سرو بالا ضرور ہے مگر یہ جبھی تک ہے جب تک تیری زلف کا پیچ و خم نہ نکلے اگر اسکا پیچ و خم نکل جائے تو ابھی قد کی حقیقت معلوم ہوجائے یعنی تیری زلف قد سے بھی زیادہ دراز ہے۔

بیخود دہلوی نے یہ مضمون نہایت اچھی صورت سے کہا ہے ؎

ناپ لیجئے اپنے گیسو کی درازی قد سے آپ — اچھو یہ فتنہ قیامت کی برابر ہوگیا

مگر لکھوائے اوسکو کوئی خط تو ہم سے لکھوائے — ہوئی صبح اور گھر سے کان پر رکھکر قلم نکلے

چونکہ ہم جانتے ہیں کہ ہر شخص اوس سے خط و کتابت کا مشتاق ہے اسواسطے ہم نے جو کہ اوس کا نام لکھنے کے عاشق ہیں یہ ترکیب نکالی ہے کہ صبح ہوئی اور کان پر قلم رکھکر گھر سے نکل آتے ہیں کہ اوس کو اگر کوئی خط لکھوائے تو ہمیں سے لکھوائے۔ یا خط لکھنے کے لئے نکلنے سے یہ مطلب ہے کہ دیکھیں لوگ کیا کیا لکھواتے ہیں۔

ہوئی اس دور میں منسوب مجھ سے بادہ آشامی — پھر آیا وہ زمانہ جب جہاں میں جام جم نکلے

یا جمشید کے زمانہ میں بادہ آشامی کا زور و شور ہوا تھا اور ایجاد ہوئی تھی یا آجکل اسکی ترقی اور میکشی کی گرمی بازار ہوگی فارسی میں کہتے ہیں ؎

دور من ہو من بادہ طبیعت غالب — پیمانہ بہ جمشید رسانند نسیم

ہوئی جن سے توقع خستگی کی داد پانے کی — وہ ہم سے بھی زیادہ خستۂ تیغ ستم نکلے

ہم نے جس کسی سے خستگی کی داد ملنے کی توقع کی اور جنکے سامنے اسباب کا اظہار ضروری کیا کہ ہم ایسے ستم سہتے ہیں وہ لوگ ہم سے بھی زیادہ تیغ ستم بار کے لخت تھے۔ یا یہ کہ جس سے اپنی پریشانی کا اظہار کیا وہ مجھ سے بھی زیادہ پریشان نکلا یعنی دنیا میں کوئی شخص دل خوش نہیں ہے۔

محبت میں نہیں ہے فرق جینے اور مرنے کا — اسی کو دیکھکر جیتے ہیں جس کافر پہ دم نکلے

عاشق کا معشوق ہی کو دیکھکر دم نکلتا اور اسی پر اسکی جان جاتی ہے اور اسیکو دیکھکر جیتا اور یہی اسکی زندگی کا سامان ہے تو گویا عشق میں مرنا اور جینا دونوں برابر ہیں یہ شعر بھی مصنف کی جدت تخیل اور طلسم الفاظ کا ایک زبردست نمونہ ہے۔ مجھے اسی مضمون کا ایک شعر اپنا یاد آتا ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی عرض کردینا ضروری سمجھتا ہوں کہ میرے حافظہ نے ہمیشہ غالب کے شعر کو توارد کی طرح رکھا ہے ممکن ہے کہ کبھی بھولکر یہ امانت سمجھکر کو دیدی ہو لہذا پھر کوئی

سرقہ کا گمان کریں تو انکی عنایت۔ ورنہ واقعہ یہ نہیں ہے۔

ے اسے مرنا بھی مشکل ہے اسے جینا بھی مشکل ہو — جو تمکو دیکھ کر جیتا ہوا اور تجھ ہی پر مرتا ہو

ے بھلا پھر اتنی وسعت کیوں نہ ہے گور وکفن ہستی — لب جاں بخش کا کشتہ نہ زندہ تھا نہ بیجاں تھا

کہاں میخانہ کا دروازہ غالب اور کہاں واعظ — پر اتنا جانتے ہیں کل وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے

یہ تو کیونکر کہیں کہ جناب واعظ بھی میخانہ کا ارادہ کرکے گئے تھے کیونکہ یہ تو انکی شان سے بعید ہے۔ مگر ہاں یہ ضرور کہینگے کل ہم پکر نکلے تھے کہ دروازہ پر وہ ہمکو ملے ظرافت کے ساتھ تہذیب نے عجب مزا دیا ہے مرزا داغ فرماتے ہیں ے

جاتے تھے منہ چھپائے ہوئے میکدہ کو ہم — آتے ہوئے اُدھر سے کئی یار سامنے

شوخی اور ظرافت کی چاشنی داغ کا حصہ ہے اور ایک شعر لکھا ہے۔

ے میخانہ کے قریب تھی مسجد بھلے کو داغ — سب لوگ پوچھتے ہیں کہ حضرت ادھر کہاں

کوہ کے ہوں بار خاطر گر صدا ہو جائیے — بے تکلف اے شرار جستہ کیا ہو جائیے

میں وہ بدنصیب ہوں کہ دنیا بھر کے لئے بار خاطر ہوں یہانتک کہ اگر صدا ہو جاؤں۔ جو نہایت لطیف اور ہلکی چیز ہے تو اسکے لئے بھی بار خاطر ہوں اور وہ بھی مجھے پلٹا دیتا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ کوہ میں صدا گونجکر وہی صدا پھر بھی پیدا ہو جاتی ہے اسکو آواز کا رد کرنا کہا گیا ہے۔ اور رد کرنے سے بار خاطر ہونے کا ثبوت ملا۔ تو آخر اے شعلہ برجستہ غم میں کیا ہو جاؤں۔ اور جیسے کہ تو ہو رہا ہے اور بے تکلف ہو رہا ہے میں کیونکر بے تکلفی کروں۔ اس شعر میں شرر گریہ ہے۔

بیضہ آسا ننگ بال و پر ہے یہ کنج قفس — از سرِ نو زندگی ہو گر رہا ہو جائیے

میرا قفس بیضہ کی مانند ہے جس میں میرے بال و پر سب غارت ہو گئے اگر میں اس کنج قفس سے نکل جاؤں تو مجھے از سر نو زندگی ملے اور یہ ظاہر ہے کہ بیضہ سے نکلنے پر نیا دور شروع ہوتا ہے۔

مستی بذوق غفلت ساقی ہلاک ہے — موج شراب یک مژہ خوابناک ہے

ساقی غفلت شعار کی ادا سے تمنائل برلنشہ اور مستی تک ہلاک ہے اور جنبش مژہ کے لئے موج شراب مژگان خواب آلودہ بنی ہوئی ہیں۔ یا دیدہ ساغر کے لئے موج شراب مژہ خوابناک بنگئی ہیں۔

جز زخم تیغ ناز نہیں دل میں آرزو — جیب خیال بھی ترے ہاتھوں سے چاک ہے

یعنی نہیں ہے کہ میرا گریبان اور دامن پیراہن تیرے خیال میں چاک ہو رہا ہے۔ بلکہ مجھے سوائے گریبان پھاڑنے کے اور کوئی خیال بھی نہیں آتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تیرے ہاتھوں جیب خیال تک ثابت نہیں ہے نظم صاحب لکھتے ہیں کہ جیب خیال سے دل مراد ہے اور جب دل میں زخم تیغ ناز ہو تو جیب خیال چاک ہوئی پھر اُسمیں آرزو کیونکر رہ سکے۔

مگر مصنف نے دل۔ اور جیب خیال دو لفظ رکھے ہیں اس صورت سے تاویل ثانی نادرست ٹھہرتی ہے۔

جوش جنوں سے کچھ نظر آتا نہیں اسد — صحرا ہماری آنکھ میں اک مشت خاک ہے

اتنا جوش جنوں مجھ میں بڑھا ہوا ہے کہ صحرا کی وسعت میری نظر میں کچھ نہیں ہے یعنی سمجھتا ہوں کہ یہ صحرائے عالم میری وحشت کے لیئے ناکافی ہے۔ اور اسی لئے وہ اک مشت خاک دکھائی دیتا ہے یا یہ کہ جوش جنوں نے مجھے اندھا کر دیا ہے۔ اور صحرا ایک گرد ہے جو میری آنکھ میں پڑگئی ہے جس سے مجھے کچھ نظر نہیں آتا۔ اور یہی باعث ہے کہ صحرا کی وسعت ناکافی معلوم ہوتی ہے

لب عیسیٰ کی جنبش کرتی ہے گہوارہ جنبانی — قیامت کشتۂ لعل بتاں کا خواب سنگیں ہے

جنبش لب عیسیٰ کا کام یہ ہے کہ مردوں کو زندہ کر دے۔ مگر کشتگان لب معشوق کے لئے یہی جنبش گہوارہ جنبانی کرتی ہے اور گہوارہ جنبانی سے اور زیادہ نیند آتی ہے۔ یعنی اس سے ان کی موت کی نیند کی غفلت اور بڑھتی ہے قیامت بھی مردوں کو زندہ کریگی مگر ان خفتگان خاک کی نیند ہی قیامت ہے یعنی انکی نیند ایسی قیامت کی ہے گویا قیامت نیند ہے۔ اس شعر میں مصنف نے اس محاورہ سے کہ کیا قیامت کی نیند ہے الفاظ کا ایک مستحکم طلسم بنا دیا ہے ذوق سلیم اسکی بہت داد دے سکتا ہے۔ ایسے ہی کشتگان لب اس توجہ سے کہا ہے کہ لب معشوق کو بھی جانبخش کہتے ہیں اور اس لب ہی نے انکو مارا ہے تو گویا لب جاں بخش نے انکو سلا دیا ہے۔ تو پھر زندگی کیسی

آمدِ سیلابِ طوفانِ صدائے آب ہے — نقشِ پا جو کان میں رکھتا ہے انگلی جادہ سے

اس شعر کو نظم صاحب نے غلط اور بے معنی لکھا ہے حالانکہ یہ بہت صاف شعر ہے کہتا ہے کہ سیلاب طوفان صدائے آب آ رہا ہے اور اس سے ڈر کر نقش پا نے اپنے کان میں جادہ سے انگلی رکھ لی ہے کیونکہ وہ نقش پا کو فنا کر دے گا اس غزل میں بہت ممکن ہے کہ مصنف بہار کے کچھ شعر نظم کر گئے ہوں اور وہ انہی میں سے ہوں اور انتخاب کے ہاتھوں سے بیکس شعر پر تنہائی کا ستم ٹوٹا ہو۔ چونکہ دوسرے شعر میں بادہ ترکیب کے ساتھ ہے لہٰذا اس شعر میں حرکت قافیہ میں اختلاف ہو گیا۔ اور یہ متقدمین کے یہاں کوئی بڑا عیب نہیں گنا گیا ہے اس صورت کے اکثر اشعار مل سکتے ہیں چنانچہ منشی کہتا ہے

شکستہ کئے یکسر آتش کدہ — گیا ژند داستا کو آتش زدہ

بلکہ متقدمین نے عندالضرورت صیغہ مستعمل سے صرف روی کو ایسے صیغے کے ساتھ بھی تبدیل کر لیا ہے جس سے قافیہ ہونے کی شائستگی پیدا ہو گئی ہے جیسے خواب کی بائے موحدہ کو بگڑ وا کر دیا گیا ہے۔

گر غریبے دیوانہ شد یکسام گاؤ — بر سرش چنداں بزن کایہ بخواؤ

غلط کردم درین معنی کہ گفتم — ز بخنداں نگار خویش را سیو

عجب نہیں ہے نجانے جو میر جاہ کی بیت — سنا نہیں ہے مگر یہ کہ جوگی کس کی بیت

ہزار شانہ و مسواک و غسل شیخ کرے — ہمارے عندیہ میں تو ہے وہ خبیث پلیت

اور خیال کیجئے تو یہ شعر اختلاف روی میں بھی آ سکتے ہیں۔ پھر بھی ایسے قوافی کے جمع کرنے سے پرہیز ضرور ہے۔ اور یہ اگر غلط نہیں تو صحیح بھی مشکل سے ہیں۔

بزمِ مے وحشت کدہ ہے کس کی چشمِ مست کا — شیشے میں نبضِ پری پنہاں ہے موجِ بادہ سے

بزم مے کو کسی چشم مست نے وحشت کدہ بنا دیا ہے کہ موج بادہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی پری کی نبض ہے جو اس بزم سے وحشت کھا کر شیشے میں نبض بند ہو گئی ہے۔ یا یہ کہ پری کے سایہ سے انسان کو وحشت ہوتی ہے پس شیشہ میں موج سے یا نبض پری ہے جس سے بزم سراسر وحشت کدہ بنی ہوئی ہے۔ اور مے کو پری سے مشابہت بھی دی جاتی ہے۔

ہوں میں بھی تماشائیِ نیرنگِ تمنا — مطلب نہیں کچھ اس سے کہ مطلب ہی بر آوے

میں اپنی تمنا کی حالتیں اور اسکی گونا گونی۔ اور تلون مزاجی کا ایک تماشائی ہوں میری تمنا کا حاصل یہ نہیں ہے کہ وہ پوری ہو۔ بلکہ میں نے بھی اسکو ایک کھیل سمجھ رکھا ہے۔

سیاہی جیسے گر جاوے دمِ تحریر کاغذ پر — مری قسمت میں یوں تصویر ہے شبہائے ہجراں کی

میرے نامہ قسمت میں تصویر شب ہجراں اسطرح کھینچی ہوئی ہیں جیسے کہ کاغذ پر لکھتے وقت سیاہی گر جائے۔ اور وہ سیاہ ہو جائے اسطرح تمام نامہ قسمت ان تصاویر سے سیاہ ہو رہا ہے۔

ہجومِ نالہ حیرت عاجزِ عرضِ یک افغاں ہے — خموشی ریشۂ صد نیستاں سے خس بدنداں ہے

میرے دل میں نالہ کا ہجوم ہے۔ مگر میں حیران اسقدر ہوں کہ ایک فغان جگر سوز بھی مجھ سے ناممکن ہے لہٰذا اس اظہار عجز کے لئے میں نے خموشی اختیار کی ہے تو وہ خموشی ایک ایسا تنکا ہے جو فریق مغلوب اپنی مغلوبیت کے ظاہر کرنے اور عاجز ہو جانے کے لئے دانتوں میں دبا لیتا ہے مگر اس تنکے کو مصنف نے ریشہ نیستان کہا اور یہ صرف اس وجہ سے کہ میری خموشی سے فریاد و نالہ ٹپکتا ہے اور گویا لوگ اس سے سمجھ گئے یا سمجھ رہے ہیں کہ اسکے دل میں آہ و نالہ کا جوش تو ضرور ہے مگر یہ نالہ کر نہیں سکتا۔ مولانا ابوالکمال امید فرماتے ہیں کہ۔

سه تکلم خیر ہے ہمدم مرا انداز خاموشی — بیانِ دردِ دل منت کشِ تابِ فغاں کیوں ہو

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسے مجرد وقف ہو کر اے ہجوم نالہ میں حیرت کی وجہ سے نالہ کشی سے مجبور ہوں میری خاموشی سے خفا نہ ہو بلکہ اسکو ریشہ نیستان سمجھ۔ کہ اس سے میرے عجز کا اظہار ہوتا ہے اور یہ بھی ثبوت ملتا ہے کہ میں سراسر نالہ ہوں۔ ایک جگہ ریشہ نے کو اسیطرح اور بھی کہہ چکے ہیں۔

سه نہ آئی سطوتِ قاتل بھی مانع میرے نالوں کو — لیا دانتوں میں جو تنکا ہوا ریشہ نیستاں کا

تکلف برطرف ہے جانستاں تر لطفِ بدخویاں — نگاہِ بے حجابِ ناز تیغِ تیزِ عریاں ہے

اگر تکلف کو چھوڑ دیا جائے تو واقعہ یہ ہے کہ معشوقوں کی بے حجابی اور ناز بھی قاتل ہے اور وہ بے حجابی تیغ تیز عریاں سے مشابہ ہے۔ منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی رحمۃ

شرم کو دان کی اللہ سلامت رکھے ۔ تو چھیون نے تو مجھے مار ہی ڈالا ہوتا

ہوئی یہ کثرتِ غم سے تلف کیفیتِ شادی ۔ کہ صبحِ عید مجھکو بدتر از چاکِ گریباں ہے

کثرتِ غم نے مجھے سراسر غم بنا دیا ہے اور کیفیت شادی مجھ میں سے بالکل تلف کر دی ہے صبح عید بھی مجھے اپنا چاک گریباں ہے یعنی معلوم ہوتا ہے کہ یہی میرا گریبان پھٹا ہے۔

دل و دیں نقد لا ساقی سے گر سودا کیا چاہے ۔ کہ اس بازار میں ساغر متاعِ دستگرداں ہے

اگر ساقی سے سودا کرنا ہے تو دل اور دین دیجیے اور ساغر لیجیے یہاں ادھار کا کام نہیں اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے۔

غم آغوشِ بلا میں پرورش دیتا ہے عاشق کو ۔ چراغِ روشن اپنا قلزمِ صرصر کا مرجاں ہے

غم عاشق کو آغوش بلا میں پالتا ہے ہمارا چراغ روشن قلزم صرصر میں روشن ہوتا ہے جیسے کہ مونگا دریا میں پیدا ہوتا اور پرورش پاتا ہے۔ ایسے ہی ہم آغوش بلا میں پرورش پاتے ہیں پرورش دینا فارسی کے محاورہ کا ترجمہ ہے۔

خموشیوں میں تماشا ادا نکلتی ہے ۔ نگاہ دل سے ترے سرمہ سا نکلتی ہے

مصنف نے اس تاثیر سے کہ سرمہ کھانے والے کی آواز بستہ ہو جاتی ہے یہ فائدہ اٹھایا ہے کہ سرمہ اور خموشی کو ایک چیز سمجھکر کہا ہے کہ نگاہ تماشا ادائے معشوق میں اور کوئی سرمہ نہیں لگاتا۔ بلکہ وہ اسکے دل ہی سے سرمہ سا ہو کر نکلتی ہے اور یہ خاموشی ہی اسکو زینت دیتی یعنی اوسمیں سرمہ لگاتی ہے حاصل یہ ہے کہ جب تو خاموشی کی حالت میں تماشا سے رم کرتا ہے تو تیری نگاہ پیاری اور سرمہ سا معلوم ہوتی ہے۔

فشارِ تنگیِ خلوت سے بنتی ہے شبنم ۔ صبا جو غنچے کے پردہ میں جا نکلتی ہے

صبا غنچہ کے پردہ میں اگر چلتی پھرتی جا نکلتی ہے تو وہ اسکو اسقدر بھینچتا ہے کہ آخر وہ شبنم بنجاتی ہے اور اسکا یہ فشار تنگی خلوت اور شبنم بننا شرم فشار سے پسینہ پسینہ ہونیکی وجہ سے ہے

نہ پوچھ سینۂ عاشق سے آبِ تیغِ نگاہ ۔ کہ زخمِ روزنِ در سے ہوا نکلتی ہے

سف انا کے چھپتے ہیں وہ گلے پر پھیر کر خنجر ۔ شہید ناز جتلا تا کہ ہمیں پار کیسی ہے

یعنی اے ظالم سفاک آب تیغ نگاہ کی سینۂ عاشق سے کیا کیفیت پوچھتا ہے کہ اس نے اسکے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ روزن زخم کو دیکھ جس سے ہوا نکلتی ہے یعنی اسنے سینہ میں زخم ڈالدیا ہے اور زخم ایسا گہرا ہے جس سے ہوا نکلتی ہے اور جو زخم ہوا دے وہ ضرور مہلک ہے

جس جا نسیم شانہ کشِ زلفِ یار ہے ۔ نافہ دماغِ آہوئے دشتِ تتار ہے

جہاں نسیم اس زلف عنبر بو کی خوشبو لیجاتی ہے وہاں کے آہو کا دماغ نافۂ مشک تاتار بنا ہوا ہے۔

کس کا سراغِ جلوہ ہے حیرت کو اے خدا ۔ آئینہ فرشِ شش جہتِ انتظار ہے

حیرت کو شعرا آئینہ سے مشابہ ٹھہراتے ہیں اسی بنا پر مصنف کہتا ہے کہ اے خدا حیرت کس کے جلوہ کے سراغ کے در پے ہے کہ تمام دنیا کا فرش بنی ہوئی یعنی تمام دنیا میں آئینے لگا دیے ہیں اور یہ قاعدہ ہے کہ سراغ رساں لوگ عکس لینے کے لیے آئینہ لگا دیتے ہیں۔ اور یہ دنیا جسمیں آئینہ لگے ہیں انتظار کی دنیا ہے۔ بات اتنی سی ہے کہ اے خدا میں کسکے انتظار میں حیران ہوں۔

ہے ذرہ ذرہ تنگیِ جا سے غبارِ شوق ۔ گر دام یہ ہے وسعتِ صحرا شکار ہے

میرے شوق کو حسب مراد جگہ نہ ملی اور اسکا ذرہ ذرہ صحرا میں پریشان ہو گیا۔ اور بصورت دام پھیل گیا۔ لہذا اگر یہی دام ہے تو تمام وسعت صحرا پر چھا جائے گا۔

دل مدعی و دیدہ بنا مدعا علیہ ۔ نظارہ کا مقدمہ پھر روبکار ہے

دل نے آنکھ پر دعوے کیا ہے کہ اسنے حسن قاتل کو دیکھکر میرا خون کیا ہے آج اسکے مقدمہ کی پھر روبکاری ہے۔

198

پھر ٹپکے ہے شبنم آئینہ برگِ گل پر آب — اے عندلیب وقت وداع بہار ہے

ایران میں قاعدہ ہے کہ جب کوئی گھر سے سفر کو نکلتا ہے تو آئینہ پر چند مرتبہ پانی رکھ کر پانی چھڑکتے ہیں اور اسکو بخیریت جلد واپس آنے کا شگون جانتے ہیں چنانچہ اسی رسم و محاورہ کو نظام دست غیب و طغرا و صائب نظم کرگئے کہتے ہیں۔

دیدہ را از گریہ از اشک چو رفتی باز بزم — در قفائے سفری آب بر آئینہ زنند

کہ سپے تو منزل گراست دیدہ آشنا — بر رخ آئینہ آب از پئے بیگانہ ریز

کیست آنکس کہ بر احوال مسافر گرید — چشم آئینہ بدنبال مسافر گرید

لہذا مصنف کہتا ہے کہ اے عندلیب سنت کی کچھ خبر ہے شبنم آئینہ برگ گل پر پانی چھڑک رہی ہے اور بہار رخصت ہو رہی ہے ایک جگہ یوں کہہ چکے ہیں۔

آغوشِ گل کشادہ برائے وداع ہے — اے عندلیب چل کہ چلے دن بہار کے

تیج آزما ہے وعدۂ دلدار کی مجھے — وہ آئے یا نہ آئے پہ یاں انتظار ہے

چونکہ یہ معشوق کا وعدہ ہے اسکے احترام کی وجہ سے میں تیج کر رہا ہوں۔ کہ کوئی یہ نہ کہے کہ معشوق کے وعدہ کا انتظار نہ کیا۔ خواہ وہ آئے یا نہ آئے مجھے انتظار کرنا ضروری ہے۔ آنے یا نہ آنے کے تجربے سے پتہ چلتا ہے کہ کہنے والا یہ بھی جانتا ہے کہ وہ وعدہ خلاف ہے میرا شعر ہے۔

یہ مانا وعدہ خلافی کے آپ عادی ہیں — میں کیا کروں کہ مجھے انتظار رہتا ہے

یہ اور پہ بمعنی مگر اور یاں۔ واں بروزن نیم متروک الاستعمال ہیں۔

بے پردہ سوئے وادیٔ مجنوں گذر نکر — ہر ذرہ کی نقاب میں دل بیقرار ہے

وادیٔ مجنوں یعنی دشت نجد میں بے پردہ ہو کر نہ جا۔ کہ یہاں ظاہراً ذرہ دکھائی دیتے معلوم ہوتے ہیں مگر در اصل ہر ہر ذرہ کے پردہ میں ایک ایک دل بیقرار ہے یعنی ہر ذرہ اضطرابِ دلِ مجنوں کا آئینہ دار ہے۔

اے عندلیب یک کفِ خس بہرِ آشیاں — طوفانِ آمد آمدِ فصلِ بہار ہے

اے عندلیب کچھ خار و خس جمع کرنا ہے تو کرلے ورنہ بجز طوفانِ بہار میں یہ دیکھو نہ ملے گا۔ یعنی سب سر سبز ہوگا۔

دل مت گنوا خبر نہ سہی سیر ہی سہی — اے بے دماغ آئینہ تمثال دار ہے

دل کو خراب و برباد نہ کر اگر اسمیں خبرِ معرفت نہیں نہ سہی تو سیر کے لئے یہ کیا برا ہے کہ اسمیں دنیائے آرزو موجود ہے۔

غفلت کفیلِ عمر و اسد ضامنِ نشاط — اے مرگِ ناگہاں تجھے کیا انتظار ہے

غفلت نے عمر بھر کا ٹھیکہ لے لیا ہے اور جناب اسد فرحت و خوشی دائمی کی ضمانت فرما چکے ہیں یعنی سمجھے ہیں کہ ہمیشہ چین سے گزریگی۔ اے مرگِ ناگہاں اب تجھے کیا انتظار ہے یہ تو تیرے آنے کا وقت ہے حاصل اس کا نہایت اچھا ہے یعنی انسان اسی فکر میں رہتا ہے کہ ہمیشہ عیش و عشرت سے بسر ہوگی اور اسی میں ان کی غفلت بڑھ جاتی ہے یہاں تک کہ موت آجاتی ہے۔

آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں جسے — ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھسا کہیں جسے

میں تجھے آئینہ کیوں نہ دوں کہ تجھے اپنے عکس کو دیکھکر حیران ہونا پڑے اور یہ لوگوں کے لئے ایک تماشا ہو جائے ورنہ بصورت دیگر تو یہ غیر ممکن ہے کہ تیرا ثانی تجھے دکھا سکوں آئینہ میں عکس دیکھکر حیران ہونا ایک عام مضمون ہے۔

حسرت نے لا رکھا تری بزمِ خیال میں — گلدستۂ نگاہ سویدا کہیں جسے

میرا دل تیری بزمِ خیال ہے کیونکہ تو اور تیرے خیال ہمیشہ جلوہ گر ہیں اوسکی زینت کے لئے چند نگاہوں کا ایک مجموعہ اور گلدستہ جسے سویدا کہتے ہیں حسرت نے لاکر رکھدیا ہے۔ یعنی عوام جسے میرا سویدائے دل کہتے ہیں وہ چند حسرت بھری نگاہوں کا گلدستہ ہے۔ مصنف کے نزدیک نگاہوں کا موطن دل ہے۔ کیونکہ دل میں آرزوئے نگاہ پیدا ہوتی ہے۔ جیسے کہ ایک جگہ اور کہہ چکے ہیں۔ ہے نگاہ درسے تیرے سرمہ سا نکلتی ہے۔ ایک جگہ ذرا بھی

199

ساتھ یوں کہا ہے۔

مت مردمک دیدہ میں سمجھو یہ نگاہیں — ہیں جمع سویدائے دل چشم میں آہیں

پھونکا ہے کسنے گوش محبت میں اے خدا — افسون انتظار تمنا کہیں جسے

اے خدا محبت کے کان میں افسون انتظار جسکا دوسرا نام تمنا ہے کسنے پھونک دیا ہے یعنی محبت کو بلا کسی کے بتائے اور سکھائے ہوئے تمنا کرنی کیونکر آجاتی ہے۔

سر پر ہجوم درد غریبی سے ڈالیے — وہ ایک مشت خاک کہ صحرا کہیں جسے

ہجوم درد غریبی کے عالم میں یعنی دوری وطن کے سبب سر پر ایک مٹھی خاک جسکو صحرا کہتے ہے ڈالنی چاہیے۔ یعنی بہت خاک اڑانا چاہیے۔ یعنی اتنی خاک اڑائے کہ صحرا ایک مٹھی خاک کی برابر ہو۔

ہے چشم تر میں حسرت دیدار سے یہاں — وہ ایک مشت خاک کہ صحرا کہیں جسے

میری چشم تر میں حسرت دیدار نے شوق کو نہاں کر دیا ہے اور وہ شوق نکلنے کے لیے مضطرب الحال اور بیتاب ہو رہا ہے۔

اور بصورت دریا آنکھ سے نکل رہا ہے یعنی حسرت دیدار کے شوق میں رو رہا ہوں

درکار ہے شگفتن گلہائے عیش کو — صبح بہار پنبہ مینا کہیں جسے

اور دنیا کے پھول صبح بہار میں کھل جاتے ہیں مگر عیش و عشرت کے پھول اس صبح بہار میں نہیں کھلتے بلکہ وہ پنبہ مینائی صبح۔ یعنی شغل شراب نوشی اور بوتل سے کاگ اڑنے سے کھلتے ہیں۔ جیسے کہ یہاں سپیدی کو صبح سے تشبیہ دیکر لایا ہے ایسے ہی سپیدی کو صبح بہار کے لئے ایک جگہ یوں استعمال کیا ہے۔

رنگ شکستہ صبح بہار نظارہ ہے — یہ وقت ہے شگفتن گلہائے ناز کا

تھوڑا سا فرق کر کے مضمون بالکل جدا کر دیا ہے۔

غالب برا نہ مان جو واعظ برا کہے — ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہیں جسے

غالب تجھے اگر واعظ برا کہتا ہے تو کہنے دے اوسکے کہنے کا برا نہ مان کوئی دنیا میں ایسا آدمی نہیں ہے کہ جسکو ہر کوئی اچھا ہی اچھا کہے۔ میکدہ والے تیرے مداح ہیں کعبہ والے برا ہی کرتے ہیں تو کیا غم ہے۔

شبنم بہ گل لالہ نہ خالی ز ادا ہے — داغ دل بیدرد نظرگاہ حیا ہے

یعنی گل لالہ پر جو شبنم ہے یہ بلا وجہ اور بے سبب نہیں ہے اسمیں خاص وجہ ہے کہ یہ شبنم نہیں ہے بلکہ گل لالہ کا عرق ندامت ہے کہ اسکو اس بات سے شرم آئی ہے کہ میرے دل میں داغ کیسے ہے اور درد نہیں ہے۔ اور دراصل پہلوئے بے دل۔ دل بیداغ داغ بیدرد جائے شرم ہے

دل خوں شدہ کشمکش حسرت دیدار — آئینہ بدست بت بدمست حنا ہے

میرا دل حیران جو آئینہ اس لئے بنا تھا کہ معشوق اسے دیکھے اور اس صورت سے وہ معشوق کا نظارہ کرے وہ حسرت دیدار میں خون ہو گیا مگر اوس تک نہ پہونچا اور کمبخت حنا اوسکے ہاتھ کی آئینہ بنی ہوئی ہے یا میرا دل جو حسرت دیدار میں خون ہو گیا تھا۔ وہ صورت آئینہ حنا بنکر اسکے دست نازک میں پہونچا ہے

شعلے سے نہ ہوتی ہوس شعلہ نے جو کی — جی کس قدر افسردگی دل پہ جلا ہے

میرا دل افسردہ ہو کر رہ گیا ہے اسلئے مجھے حسرت ہے کہ میں جل کیوں نہ گیا۔ اس نہ جلنے کی وجہ سے میرا جی اسقدر جلا ہے کہ اگر شعلہ اسکو جلاتا تو وہ اتنا نہ جلتا۔

مصنف نے اس قسم کے کئی ایک شعر کہے ہیں اور وہ سب اچھے ہیں۔ جو گذر چکے ہیں۔

تمثال میں تیری ہے وہ شوخی کہ بصد ذوق — آئینہ بانداز گل آغوش کشا ہے

تیری تصویر تیرے عکس میں وہ شوخی وہ دلکشی ہے کہ آئینے نے شوق سے پھول کی طرح اپنی گود کھولی ہے۔

200

قمری کفِ خاکستر و بلبل قفسِ رنگ — اے نالہ نشانِ جگرِ سوختہ کیا ہے

نالہ کو مخاطب کرکے پوچھتا ہے کہ قمری سرو کی عاشق ہے اور وہ غمِ الفت میں جلکر خاک کی صورت ہوگئی ہے اور اسی صورت میں اوسکا پتہ ملتا ہے۔ بلبل عشقِ گل میں مقید ہوکر ایسی فنا ہوئی ہے کہ بس قفسِ رنگ ہی رہ گئی ہے یعنی صرف رنگ ہے باقی اسمیں دل و جان نہیں ہے۔ اور یہ رنگ بھی اس وجہ سے ہے کہ وہ گل کی عاشق ہے اور اسکا رنگ اسکے رگ و پے میں سرایت کرچکا ہے بلبل کا اس سے نشان ملتا ہے۔ مگر اے نالہ میرے جگرِ سوختہ کا کیا نشان ہے میں اگر اوسکو ڈھونڈھوں تو کس صورت سے ڈھونڈھوں اور کیونکر پاؤں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ ایسا جلا ہے کہ اسکا کسی صورت اور کسی رنگ سے سراغ نہیں مل سکتا۔ نظم صاحب نے نالہ کے ساتھ خطاب کو بے لطف کہا ہے مگر میں کیا کروں مجھے فیضی کا شعر یاد آگیا دامن نہ لے کے فراق میں کہتی ہے۔

اے درد بسینہ ام خبر کن — وے نالہ تراوشِ جگر کن

خو نے تری افسردہ کیا وحشتِ دل کو — معشوقی و بے حوصلگی طرفہ بلا ہے

تیری بدخوئی نے میری آتشِ وحشتِ دل کو جو الفت و محبت میں پیدا ہوگئی تھی اُسے افسردہ کردیا کیونکہ تو معشوق ہے اور تجھ میں ناز و انداز جور و جفا وغیرہ کا حوصلہ نہیں ہے یہ میری واسطے ایک بلا ہے یعنی وہ آگ اگر بھڑکتی تو مجھے دم بھر میں جلاکر خاک کردیتی۔ مگر یہ افسردگی رہ رہ کر ستائے گی۔

مجبوری و دعوئ گرفتاریِ الفت — دستِ تہِ سنگ آمدہ پیمانِ وفا ہے

جب مجبور ہوگئے ہیں اور کچھ نہیں ہوسکتا یعنی آزادی نصیب نہیں ہے تو ہم عوام کو دھوکا دے رہے ہیں کہ کیا کریں پچھلی محبت کو نباہ رہے ہیں۔ گویا پیمانِ وفا ایک پتھر تلے دبا ہوا ہاتھ ہے نکل تو سکتا نہیں ہے مجبوری سے اسکو پیمانِ وفا کہنا پڑتا ہے کہ ہم نے تو کسی کے ہاتھ میں ہاتھ دیدیا ہے۔

معلوم ہوا حالِ شہیدانِ گزشتہ — تیغِ ستم آئینۂ تصویر نما ہے

تیری تیغِ خوں آلودِ ستم کو دیکھکر پتہ چلتا ہے کہ تو نے شہیدانِ گذشتہ کو کس بیرحمی سے قتل کیا ہے گویا تلوار ایک آئینہ ہے جسمیں گذشتہ تصویرِ ظلم و ستم کی نظر آرہی ہیں۔

اے پرتوِ خورشیدِ جہانتاب ادھر بھی — سایہ کی طرح ہم پہ عجب وقت پڑا ہے

اے خورشیدِ جہانتاب ذرا ہماری مصیبت کو بھی دیکھ اور ہمپر بھی کرم کر۔ وقت پڑنا سایہ کے لئے نہایت مناسب ہے۔

گل پھینکے ہیں اوروں کی طرف بلکہ ثمر بھی — اے خانہ برانداز چمن کچھ تو ادھر بھی

ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد — یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

اے خدا جن گناہوں کے کرنے کی مجھکو حسرت رہگئی ہے اور اسکی وجہ سے میں نے رنج اٹھایا ہے ذرا انکو بھی دیکھ تب مجھے ان گناہوں کی سزا دے۔ ایسا ہی مضمون کئی جگہ اردو فارسی میں کہا ہے

سے آتا ہے داغِ حسرتِ دل کا شمار یاد — مجھ سے مرے گنہ کا حساب اے خدا نہ مانگ

بیگانگیِ خلق سے بیدل نہ ہو غالب — کوئی نہیں تیرا تو مری جان خدا ہے

اگر مخلوق تجھ سے بیگانہ ہے تو ہوا کرے خدا تو ہے سے خدا داریم ما را ناخدا درکار نیست

منظور تھی یہ شکل تجلی کو نور کی — قسمت کھلی ترے قد و رخ سے ظہور کی

تجلی کو اپنے نور کا اظہار کرنا مقصود تھا چنانچہ تیرے قد و رخ میں وہ ظاہر ہوئی اور اس سے تیری قسمت جاگی یہ شعر نعتیہ ہے۔ منظور تھی یہ شکل کے یہ معنے ہیں کہ وہ ایسی پیاری صورت میں اپنا ظہور چاہتی تھی۔

اک خونچکاں کفن میں کروڑوں بناؤ ہیں — پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پہ حور کی

چونکہ وہ تیرے شہید ہیں لہذا اونکے کفن حالانکہ خونچکاں اور بیرونق ہیں مگر بھی کچھ ایسے بھلے معلوم ہوتے ہیں کہ انمیں کروڑوں بناؤ نظر آتے ہیں۔ اور حوریں حسرت سے اونکو دیکھ رہی ہیں۔ اگرچہ مرزا نے بھی یہ شعر بہت اچھا کہا ہے مگر عرفی نے بمثل کہا ہے۔

حلہ پا سوختہ اہل بہشت از غیرت ۔ تا شہیدان تو گلگون کفنے ساختہ اند

واعظ نہ تم پیو نہ کسی کو پلا سکو ۔ کیا بات ہے تمھاری شراب طہور کی

نہ آپ خود پئیں نہ کسی کو پلانے کا آپکو مجاز ۔ پھر بھلا تمھاری شراب طہور کا کیا کہنا ۔ سبحان اللہ ہے

لڑتا ہے مجھ سے حشر میں قاتل کہ کیوں اٹھا ۔ گویا ابھی سنی نہیں آواز صور کی

میرا قاتل ایسا بدمست اور غفلت شعار ہے کہ قیامت کی بھی اسے خبر نہیں ہے اور میں اٹھ کھڑا ہوا تو مجھ سے خفا ہوتا ہے ۔

آمد بہار کی ہے جو بلبل ہے نغمہ سنج ۔ اڑتی سی اک خبر ہے زبانی طیور کی

فصل گل آ رہی ہے کہ بلبل نغمہ سنجی میں مصروف ہوگیا ۔ ہمکو بھی یہ خبر ملی ہے مگر کیا اعتبار ہے جانوروں کی زبانی اڑتی ہوئی خبر ہے ۔ جو شاید سچ کو خدا جانے طیور کی زبانی ہے اڑتی خبر بنانا غالب ہی کا کام ہے ۔ ؎ بہار آنے کی بلبل خبر لگا کہنے ۔

گو واں نہیں پہ واں کے نکالے ہوئے تو ہیں ۔ کعبے سے ان بتوں کو بھی نسبت ہے دور کی

اے واعظ تو مجھے بت پرستی سے ناراض ہوتا ہے میں تیرے خلاف راستہ نہیں چل رہا ہوں بلکہ صحیح راستہ پر ہوں تو کعبہ کو پوجتا اور اسکا احترام کرتا ہے میں بتوں کا احترام کرتا ہوں سبب یہ ہے کہ یہ بھی کعبہ میں ایک وقت میں رہتے تھے اب وہاں سے نکال دئے گئے ہیں مگر پھر بھی ان کو کعبہ سے ایک طرح کی نسبت ہے ۔

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب ۔ آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہ طور کی

یعنی کیا یہ مسئلہ اصل قطعی ہی ہے کہ ہمکو بھی ویسا ہی صاف جواب ملے جیسے حضرت موسیٰ کو ملا تھا ۔ ممکن ہے کہ ہمارا نصیبہ چمک اٹھے حاصل یہ ہے کہ تلاش مقصود سے تھک کر نہ بیٹھنا چاہیے اور دوسروں کی ناکامی سے خود مایوس نہ ہو جائے ۔

گرمی سہی کلام میں لیکن نہ اس قدر ۔ کی جس سے بات اس نے شکایت ضرور کی

یعنی حد اعتدال سے گذرنا چاہیے ؎ نہ جلا اتن کہ جٹ کر جائیں بھوکے ۔ نہ کر ڈر ابن کر جو چکھے سو تھوکے ۔

غالب گر اس سفر میں مجھے ساتھ لے چلیں ۔ حج کا ثواب نذر کروں گا حضور کی

اگر مجھے بھی شاہ عالم پناہ اس سفر میں لے چلیں تو حج کا جو کچھ ثواب ملے میں حضور کی نذر کردوں یہ ظاہر ہے کہ جو کسی کو حج کراتا ہے اسکو حج کا ثواب ملتا ہے ۔

غم کھانے میں بودا دل ناکام بہت ہے ۔ یہ رنج کہ کم ہے مے گلفام بہت ہے

میرا دل غم کھانے میں بہت ہی کمزور ہے ۔ اگر بہت سی شراب ہوتی تو اسکو پی کر غم کے دن گذار دیتا کیونکہ وہ اندوہ ربا ہے ۔ مگر چونکہ غم زیادہ ہے شراب کم ہے یہ میرے واسطے اور بھی افزونی غم کا سبب ہے ۔ اسی مضمون کو مصنف برعکس کہہ چکے ہیں ۔
؎ بہت سہی غم گیتی شراب کم کیا ہے ۔ غلام ساقی کوثر ہوں مجھکو غم کیا ہے

کہتے ہوئے ساقی سے حیا آتی ہے ورنہ ۔ ہے یوں کہ مجھے دُرد تہ جام بہت ہے

ساقی چونکہ شراب پلا رہا ہے اسواسطے اسکے پاس ادب ہے یہ نہیں کہہ سکتا کہ بس میں سیر ہو گیا ورنہ حقیقت حال یہ ہے کہ ساقی اگر دُرد تہ جام یعنی تلچھٹ بھی مجھے دیدے تو وہ میرے واسطے کافی ہے ۔

نے تیر کماں میں ہے نہ صیاد کمیں میں ۔ گوشے میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے

کمان اور کمین کی تجنیس قابل داد ہے ۔ آشیانہ تھا تو بجلی کا ایک خوف تھا باغبان کی بک بک جی کا جنجال تھی صیاد کا ڈر الگ دل پہ چھایا تھا ۔ مگر قفس کا گوشہ بڑا اچھا ہے جہاں صیاد کا خوف نہ تیر صیاد کا ڈر ۔
؎ بے تکلف در بلا بودن بہ از بیم بلاست ۔ قعر دریا سلسبیل و روئے دریا آتش است

کیا زہد کو مانوں کہ نہ ہو گرچہ ریائی   پاداش عمل کی طمع خام بہت ہے

اگر زہد ریائی بھی نہو تو یہ بڑی لگی ہوئی ہے کہ بدلہ کا فکر ہے یعنی جزا کی طمع ہی اور یہ کچھ کم برائی نہیں ہے ریا نہ سہی یہ سہی ۔ ایسا ہی ایک شعر پہلے لکھا جا چکا ہے ۔

ہیں اہل خرد کس روش خاص پہ نازاں   پابستگی رسم و رہ عام بہت ہے

اہل خرد بھی دنیا میں بہت ہیں لہذا اون کی روش خاص نہ رہی رسم عام ہو گئی اور یہ کچھ قابل فخر نہیں ہے مزا جب تھا کہ جب کوئی روش خاص ہوتی اور اسپر ناز کرتے ۔ اسمیں بھی مصنف نے الفاظ کا طلسم بنایا ہے جس میں یہ معانی بھی موجود ہیں کہ رسم و راہ عام کی پابندی اور روش خاص کا دعوے اور اسپر ناز سے گرولی انیست لعنت بروی ۔

زمزم ہی پہ چھوڑو مجھے کیا طوف حرم سے   آلودہ بہ مے جامۂ احرام بہت ہے

میں طوف حرم کو جا کر کیا کروں گا ۔ مجھے زمزم ہی پر چھوڑ دو اپنا خرقۂ شراب آلودہ ہی آب زمزم سے پاک کر لوں یہی کافی ہی اس قسم کا بھی ایک شعر گذر چکا ہے ۔ رات پی زمزم پہ مے اور صبحدم دھوئے دھبے جامۂ احرام کے ۔

ہے قہر گر اب بھی نہ بنے بات کہ اُنکو   انکار نہیں اور مجھے ابرام بہت ہے

اگر اب بھی وصل نہو تو بڑا غضب ہے کہ اونکو انکار نہیں اور مجھے اصرار ہے ۔ یعنی خداوند کریم کا ارشاد ہی کہ مجھسے دعا کرو میں قبول کروں ۔ یا جب میرا بندہ مجھے ڈھونڈتا ہی تو میں قریب ہو جاتا ہوں اس حالت میں کہ میں جویا بھی ہوں اب بھی نہ پا سکوں تو بد نصیبی ہے ۔

خوں ہو کے جگر آنکھ سے ٹپکا نہیں اے مرگ   رہنے دے مجھے یاں کہ ابھی کام بہت ہے

اے موت ابھی عشق میں بہت سی مصیبتیں اٹھانا ہیں ابھی میں رویا ضرور ہوں مگر میرا جگر خون ہو کر آنکھوں سے نہیں ٹپکا ہے ابھی مجھے بہت سے کام ہیں ذرا اور مہلت دی میرا شعر ہے

ٹھہری عمر گزراں صبر کرای موت تھوڑا سا   وہ مجھ پہ جفا کرلے ہیں اس سے کچھ وفا کر لوں

ہوگا کوئی ایسا بھی کہ غالب کو نہ جانے   شاعر تو وہ اچھا ہی پہ بدنام بہت ہے

یعنی سب جانتے ہیں ۔ وہ بدنام اگر ہونگے تو کیا نام نہو گا ۔

مدت ہوئی ہی یار کو مہماں کئے ہوئے   جوش قدح سی بزم چراغاں کئے ہوئے

یار مہماں ہوتا تھا تو شراب آتشیں کا دور چلتا اور جوش قدح بادہ گلرنگ سے بزم چراغاں معلوم ہوتی ۔

کرتا ہوں جمع پھر جگر لخت لخت کو   عرصہ ہوا ہی دعوت مژگاں کئے ہوئے

عرصے سے مژگان یار کی دعوت نہیں کی ہے کیونکہ اسنے پہلی ہی مرتبہ میں دل کے ٹکڑے اڑا دئے تھے ۔ اب اپنے دل کے ٹکروں کو پھر جمع کر رہا ہوں کہ ایک مرتبہ پھر بھی دعوت مژگاں کروں ۔

؎ آماذ گشتہ ام مگر اشب تقاضا رہ را   پیوند میکنم جگر پارہ پارہ را

پھر وضع احتیاط سے رکنے لگا ہی دم   برسوں ہوئے ہیں چاک گریباں کئے ہوئے

اس احتیاط کے طریقہ سے پھر مجھے ایک الجھن سی ہونے لگی ہے کیونکہ مدت سے گریبان چاک نہیں کیا ہے ۔

پھر گرم نالہائے شرر بار ہی نفس   مدت ہوئی ہی سیر چراغاں کیے ہوئے

پھر میرا دم آتشیں گرم گرم نالے کھینچتا ہی سیر چراغاں کئے ہوئے مجھے ایک مدت ہو گئی ہے نالہ گرم کو چراغاں سے تشبیہ دی ہے ۔

پھر پرسش جراحت دل کو چلا ہی عشق   سامان صد ہزار نمکداں کئے ہوئے

حضرت عشق پھر میرے زخم دل کا مزاج پوچھنے تشریف لیچلے مگر سطرح کہ لاکھ نمکداں ساتھ ہیں یعنی پھر میرے دل کے تکلیف دینے کا عشق نے سامان کیا ہے

پھر بھر رہا ہوں خامۂ مژگاں بخونِ دل — سازِ چمن طرازیِ داماں کئے ہوئے

پھر میں اپنے دامن پر گل بوٹے بنانا چاہتا ہوں۔ اس لئے خامۂ مژگاں کو خونِ دل میں بھر رہا

باہم دگر ہوئے ہیں دل و دیدہ پھر رقیب — نظارہ و خیال کا ساماں کئے ہوئے

میرے خیال اور آنکھ میں پھر رقابت پیدا ہوئی ہے آنکھ اسکو نظارہ کی صورت میں اور دل خیال کی صورت میں اپنے پاس رکھنا چاہتا ہے۔

دل پھر طوافِ کوئے ملامت کو جائے ہے — پندار کا صنم کدہ ویراں کئے ہوئے

پندار یعنی غرور و خودداری یعنی میرا دل بتکدۂ غرور و خودداری کو ویران کر کے ملامت کے طواف کعبہ کے یا گلی یا حرم کے طواف کو چلا ہے۔ یعنی میں اپنی وضع کو چھوڑ کر پھر عشق کرتا ہوں جو باعثِ ملامت ہے۔

پھر شوق کر رہا ہے خریدار کی طلب — عرضِ متاعِ عقل و دل و جاں کئے ہوئے

دل پھر عقل و دل جان کی دکان لیکر بیٹھا ہے اور خریدار کی تلاش ہے۔ کہ کوئی معشوق خریدار ہو تو بیچ ڈالیں۔

دوڑے ہے پھر ہر ایک گل و لالہ پر خیال — صد گلستاں نگاہ کا ساماں کئے ہوئے

ہر گل و لالہ پہ پھر خیال دوڑ رہا ہے اور چاہتا ہے کہ اس صورت سے میری نگاہ کو رشکِ صد گلستاں بنائے یعنی ذوقِ نظارہ گلستاں ہے۔ یا اثرِ نظارہ ہے۔

پھر چاہتا ہوں نامۂ دلدار کھولنا — جاں نذرِ دلفریبیِ عنواں کئے ہوئے

معشوق کا خط پھر اس صورت سے کھولنا چاہتا ہوں کہ جان کو عنوانِ دلفریب کے نذر کر دوں اس سے دو باتوں کی تعریف میں استغراق کیا ہے ایک یہ کہ معشوق کا نامہ اتنا دلفریب ہے دوسرے یہ کہ میرا شوق اسقدر بڑھا ہوا ہے۔

مانگے ہے پھر کسی کو لبِ بام پر ہوس — زلفِ سیاہ رخ پہ پریشاں کئے ہوئے

اس شعر میں مصنف نے تصویر کھینچ دی ہے۔ کہتا ہے کہ میری ہوسِ نظارہ پھر اس صورت سے اسکو لبِ بام دیکھنا چاہتی ہے۔

چاہے ہے پھر کسیکو مقابل میں آرزو — سرمے سے تیز دشنۂ مژگاں کئے ہوئے

میری آرزو کی تمنا ہے کہ کوئی میرے روبرو اپنی آنکھوں میں سرمہ لگائے ہوئے بیٹھا ہو اور میرے دل کو زخمی کر رہا ہو۔

اک نوبہارِ ناز کو تاکے ہے پھر نگاہ — چہرہ فروغِ مے سے گلستاں کئے ہوئے

پھر میرے نگاہ اوسکو نشہ میں بدمست ہونے کی حالت میں ڈھونڈتی پھرتی ہے۔ نوبہارِ ناز گلستاں تاکے ہے یہ سب الفاظ مناسب ہیں۔

پھر جی میں ہے کہ در پہ کسی کے پڑے رہیں — سر زیرِ بارِ منتِ درباں کئے ہوئے

یہ جی چاہتا ہے کہ کسی کے در پہ پڑے رہنے کی دربان ہمیں اجازت دے اور ہم وہاں اسکے احسان میں دبے پڑے رہیں۔

جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کہ رات دن — بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کئے ہوئے

پھر دل کو اسی فرصت کی تمنا ہے کہ شب و روز پہلے کی طرح اوسکا خیال کئے بیٹھے رہیں

غالب ہمیں نہ چھیڑ کہ پھر جوشِ اشک سے — بیٹھے ہیں ہم تہیۂ طوفاں کئے ہوئے

یعنی ہمکو چھیڑو گے تو ہم رو دیں گے اور اتنا روئینگے کہ طوفاں بپا کر دینگے۔

اسی زمین جناب آرزو صاحب لکھنوی کے دو تین شعر مجھے یاد ہیں جو ایسے لکھے ہیں کہ انکی داد نہیں دیجا سکتی ہے۔

جوشِ جنوں میں وہ ترکِ وحشی کا کھینچنا — بند اپنے ہاتھ سے درِ زنداں کئے ہوئے

204

وحشت ہم اپنی بعد فنا چھوڑ جائینگے
اب تم پھروگے چاک گریباں کئے ہوئے

نوید امن ہے بیداد دوست جاں کیلئے
رہی نہ طرز ستم کوئی آسماں کے لئے

معشوق کا ظلم و ستم میرے لئے گویا خوشی کی نوید بھی ہوئی ہے اور مجھے ظلم و ستم سے نجات ملنے کا مژدہ ہے کیونکہ آسمان کے لئے کوئی طرز ستم اب باقی نہ رہیگا کیو وہ سب ظلم و ستم مجھ پر ختم کردیگا اور کررہا ہے شیفتہ مرحوم یہی مضمون کو یوں لکھتے ہیں

سب حوصلہ جو صرف ہوا جور یار کا
مجھ پر نگاہ رہا ستم روزگار کا

اسی زمین میں ذوق مرحوم اور مومن خاں وغیرہ سبھی کی غزلیں ہیں لہذا جی چاہتا ہے کہ غالب کی شرح لکھیں تو کم از کم دوسروں کے شعر قافیہ بقافیہ اس زمین میں لکھتے جائیں جو ناظرین کی دلچسپی کا باعث ہوگا۔

مومن دعا بلا تھی شب ہجر میری جاں کے لئے
سخن بہانہ ہوا مرگ ناگہاں کے لئے

ذوق ہزار لطف ہیں جو ہر ستم میں جانکے لئے
ستم شریک ہوا کون آسماں کے لئے

شیفتہ بھرے ہوئے در دوست کو جاؤں تو پاسباں کے لئے
نہیں ہے خواب سے بہتر کچھ ارمغاں کے لئے

بلا سے گر مژہ یار تشنہ خوں ہے
رکھوں کچھ اپنی بھی مژگان خونفشاں کے لئے

شیفتہ مرحوم یہی مضمون یوں لکھتے ہیں۔

ستم اگرچہ بنا بر ناز دلکش دوست
مگر کچھ اپنی بھی آہ جگر فشاں کے لئے

مطلب مصنف کا یہ ہے کہ میں نے مانا کہ مژہ یار خون کی پیاسی ہے مگر مجھے اپنی مژگاں کا بھی تو خیال کرنا چاہیئے وہ بھی تو خونفشاں ہے اگر میں سب خون اسی کے نذر کردوں گا تو میری مژگاں خوں فشانی کیونکر کریگی۔

سہ نہ دل رہا نہ جگر دونوں جل کے خاک ہوئے
رہا ہے سینہ میں کیا چشم خونفشاں کے لئے

سہ وہ لعل ہیچ فرہاد سے کہا نہ لک بوسے
کہ جو ہے کم ہے یہاں شوق جاں فشاں کے لئے

وہ زندہ ہم ہیں کہ ہیں روشناس خلق اے خضر
نہ تم کہ چور بنے عمر جاوداں کے لئے

ہماری زندگی کا یہ مزا ہے کہ لوگوں سے ملتے جلتے ہیں اگرچہ ہماری زندگی جاودانی نہیں ہے مگر لطف زندگی تو اٹھا رہے ہیں اور ایک تم ہو کہ چور بنے ہوئے ہو نہ کسی سے مل سکتے ہو نہ بات

کر سکتے ہو اے خضر یہ تمھاری کیا زندگی ہے اور اس حیات جاودانی کا کیا حاصل ہے۔

سہ اگر مُفید نہ ہمسایہ ہو تو خانہ یاس
بہشت ہے ہمیں آرام جاوداں کے لئے

خلاف وعدۂ فردا کی ہم کو تاب کہاں
امید یک شبہ ہے یاس جاوداں کے لئے

رہا بلا میں بھی میں مبتلائے آفت رشک
بلائے جاں ہے ادا تیری اک جہاں کے لئے

رشک نے مجھکو بلا میں مبتلا کر رکھا اس غم میں مرا جاتا ہوں کہ تیرا ظلم اور تیری ادا سب کے لیے کیوں ہے اور اسکو سب کیوں دیکھ سکتے ہیں۔ یہی مضمون یوں بھی کہا ہے۔

نہیں گر ہمدمی آساں نہ ہو یہ رشک کیا کم ہے
نہ دی ہوتی خدایا آرزوئے دوست دشمن کو

شرکت غم بھی نہیں چاہتی غیرت میری
غیر کی ہو کے رہے یا شب فرقت میری

اے فلک تو نے دیا تھا غم جو کہا تنکے لئے
وہ بھی حصہ کردیا سارے زمانے کے لیے

شیفتہ مرحوم اس قافیہ کو یوں لکھتے ہیں۔

نہ میکدہ میں ترانہ نہ خانقہ میں سماع
دعائے خیر ہے اور آفت جہاں کے لیے

مومن مرحوم نے اس مضمون کو بہت ہی خوب لکھا ہے سہ

جنون عشق ازل کیوں نہ خاک اڑائیں ہم
جہاں میں آئے ہیں ویرانئ جہاں کے لئے

فلک نہ دور رکھ اس سے مجھے کہ میں ہی نہیں
دراز دستی قاتل کے امتحاں کے لئے

اے فلک تو بہانہ یہ کرتا ہے کہ دراز دستی قاتل کا امتحان منظور ہے اور اس طرح سے تو نے مجھے اس سے دور ڈال رکھا ہے مگر کیا اسکی دراز دستی کے امتحان کے لئے ایک میں ہی رہ گیا ہوں، یہ امتحان اوروں پر کیوں نہو۔

امتحاں کے قافیہ کو مرزا نے سب سے اچھا کہا ہے اگرچہ دوسروں نے بھی کمی نہیں رکھی۔

وہ مول لیتے ہیں جسدم کوئی نئی تلوار
لگاتے پہلے مجھی پر ہیں امتحاں کے لئے

بھلا ہوا کہ وفا آزما ستم سے ہوئے
ہمیں بھی دینی تھی جاں اوسکے امتحاں کے لیے

کرم کو مت سمجھ گر کسی غرض سے ہو
ستم ستم نہ سمجھ گر ہو امتحاں کے لیے

امید ہے کہ بنا ہینگے امتحاں لیکر
جو اسقدر متقاضی ہیں امتحاں کے لیے

مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغِ اسیر — کرے قفس میں فراہم خس آشیاں کے لیے

میری ناکارہ اور بیکار کوشش کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی طائر گرفتار قفس میں آشیاں بنانے کے لئے تنکے جمع کرے یہ نہایت بلیغ شعر کہا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ کوشش رہائی کرتے کرتے تھک جانے پر جیسے مرغ اپنے دل کے سمجھانے اور خوش کرنیکو قفس میں گھر بنائے ایسے ہی میں بھی تھک کر راضی برضا ہو گیا ہوں ۔ اور اب اسی غم میں خوش ہوں اصل یہ ہے کہ یہ قافیہ غالب نے اپنے حصہ کا کر لیا ہے ۔ اسکا جواب نہیں ہے ۔

ذوق صبا جو لائے خس خاکدان کے لیے — قفس میں کیونکہ نہ تڑپے دل آشیاں کے لئے
کہاں وہ عیش اسیری کہاں وہ دام و قفس — ہی بیم برق بلا اور آشیاں کے لیے
وہ اپنے باغ میں ہمکو ضرور رکھے گا — جو بلبلوں کو ندے حکم آشیاں کے لیے

اسی طرح میں لکھنؤ میں ایک مشاعرہ ہوا تھا میں نے بھی آشیاں کے دو قافیہ کہے تھے یہاں اگرچہ لکھنے نہ چاہئیں مگر لکھتا ہوں ۔

وہ کم نصیب ہوں باغ جہاں میں ای صبا — کہ تنکے تک نہ ملے مجھکو آشیاں کے لیے
فلک زدہ ہوں شفق سے بھی ڈر رہا ہوں میں — کہ یہ بھی برق نہو میرے آشیاں کے لیے

گدا سمجھ کے وہ چپ تھا مری جو شامت آئی — اٹھا اور اٹھ کے قدم میں نے پاسباں کے لیے

پاسباں نے مجھے سائل سمجھا تھا اور اسوجہ سے دروازہ پر مجھے کھڑا ہونے دیا تھا وہ چپ ہو گیا تھا مگر میری شامت اعمال کہ میں پاسبان کے قدموں پر گر پڑا جس سے اُسنے مجھے پہچان لیا ۔ اور وہاں سے نکال دیا یہ قافیہ اگرچہ مرزا نے اپنا حصہ کر لیا ہے مگر مومن خاں نے اسکا جواب دیا ہے اور خوب جواب دیا ہے ۔

سے ہوا اعتماد مرے بخت خفتہ پر کیا کیا — وگرنہ خواب کہاں چشم پاسباں کے لیے
او نہیں ہی ہمسے محبت عمل کی کیا خاصیت — اگر کرد تو کرو اُن کے پاسباں کے لیے

بقدر شوق نہیں ظرف تنگنائے غزل — کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیاں کے لیے

جو کچھ مجھکو لکھنا ہے وہ غزل میں نہیں لکھ سکتا لہذا یہاں سے دوسرا پیرایہ اختیار کرنا چاہیے

یہ ضبط نالہ کی تعلیم شیفتہ بیجا ہے زبان ہمکو ملی ہے اگر بیاں کے لئے ۔

دیا ہے خلق کو بھی تا اُسے نظر نہ لگے — بنا ہے عیش تجمل حسین خاں کے لیے

عیش و آرام میرے ممدوح تجمل حسین خاں کے لیئے ہے اور دوسروں کو بر بنائے مصلحت دیا گیا ہے کہ کہیں اُسے کیسی کی نظر نہ لگجائے ۔ بہت خوب شعر ہے ۔

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا — کہ میری نطق نے بوسے مری زباں کے لیے

اے اللہ میری زبان پر یہ کس کا پیارا پیارا نام آگیا کہ میری زبان خوشی میں میرے منھ کو چومنے لگی یا اس نام کے اثر سے زبان نے منھ کے بوسہ لئے ۔

خاقانی مدحت کعبہ دل میں کہتا ہے سے

زیں نام چہ تر کنم زبا نرا — جاں بوسہ زند سر زبا نرا

نصیر دولت و دیں اور معین ملت و ملک — بنا ہے چرخ بریں جسکے آستاں کے لیے

وہ ملک و دولت کا مددگار اور مذہب کا حامی ہے اس لئے اُسکی یہ عزو شان ہے کہ آسمان باوجود اس رفعت اور بلندی کے اُسکے آستانے کے لئے بنا ہے ۔

زمانہ عہد میں اُس کے ہے محو آرائش — بنیں گے اور ستارے اب آسماں کے لیئے

زمانہ اُسکے عہد میں از سر نو آراستہ ہو رہا ہے اس لئے یہ ستارے جواب ہیں اسکے سوائے اور بھی ستارے آسماں میں بنینگے کہ اُسکی زینت بڑھے ۔ اور چونکہ ممدوح کا نام تجمل حسین خاں ہے اسواسطے تجمل و آرائش از سر نو ہوگی ۔

ادائے خاص سے غالب ہوا ہے نکتہ سرا — صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے

میں نے نئے انداز میں یہ غزل لکھی ہے اور اس روش خاص کی طرف میں اپنے یاران نکتہ داں کو بھی متوجہ کرتا ہوں تاکہ اسے اختیار کریں ۔

قصائد

سازِ یک ذرّہ نہیں فیضِ چمن سے بیکار — سایۂ لالۂ بیداغ سویدائے بہار

باغ کا ایک ذرہ بھی بیکار نہیں ہے چنانچہ لالہ بیداغ کا سایہ سویدائے دل بہار بنا ہوا ہے۔ بیداغ سے مراد یہ ہے کہ بہار کا وہ جوش ہو کہ لالہ میں بھی داغ نہیں ہے کیونکہ داغ بھی ترسوختگی ہی ہے

مستیِ بادِ صبا سے ہے بعرضِ سبزہ — ریزۂ شیشۂ مے جوہرِ تیغِ کہسار

اسقدر مست ہے کہ وہ سبزہ بالائے کوہ کو بھی شیشۂ مے کے ریزے ظاہر کرتی ہے شیشۂ مے کی کرچوں کو بوجہ سبزی کے سبزہ سے مشابہت دی ہے۔ تیغ کوہ پہاڑ کی بلندی اور چوٹی کو کہتے ہیں دوسرے معنے یہ ہیں کہ بادِ صبا کی مستی سے سبزہ ظاہر ہوا ہے اور وہی سبزہ شیشۂ مے سے مشابہ ہے اس لئے کہ صبا نے اوسکو ظاہر کیا ہے اور یہ اسکی مستی ہی کا اسپر اثر ہے کہ وہ ریزۂ شیشۂ مے معلوم ہوتا ہے یہی ریزہ بوجہ اپنی تیزی کے تیغ کسار کا جوہر بن گیا ہے یعنی جیسے جوہر تیغ کے لئے باعث عمدگی ہے ایسے ہی سبزہ پہاڑ کی چوٹی کے لئے۔

سبز ہے جامِ زمرد کی طرح داغِ پلنگ — تازہ ہے ریشۂ نارنج صفت روئے شرار

بہار کے اثر سے داغ سیاہ پلنگ سبز ہو گئے — اور ریشۂ نارنج کی طرح شرار سرخ ہیں

مستیِ ابر سے گلچینِ طرب ہے حسرت — کہ اس آغوش میں ممکن ہے دو عالم کا فشار

ابر ایسا مست ہو رہا ہے کہ تمام عالم میں پھیلا ہوا ہے اور گویا دونوں عالم کو آغوش میں لئے رکھا ہے میری حسرت کو افسوس آتا ہے کہ ایک یہ ہے جسنے دونوں عالم کو آغوش میں لے رکھا ہے۔ بوجہ طرب انگیزی ابر کے حسرت کے ساتھ گلچینی اور طرب کا ذکر کیا ہے سا اور ایک میں ہوں۔ یا اس لئے کہ دونوں عالم کے فشار کے ساتھ میرے غم کا فشار رہنا بھی ممکن ہے۔

کوہ و صحرا ہمہ معموریِ شوقِ بلبل — راہِ خوابیدہ ہوئے خندۂ گل سے بیدار

تمام کوہ و صحرا بلبلوں کے شوق سے آباد ہے۔ جو لوگ راہ میں سو گئے تھے وہ خندۂ گل سے بیدار ہو گئے ہیں یا یہ کہ سوئی ہوئی راہ۔ یعنی ویران راستے خندہ گل سے جاگ اٹھے یعنی آباد معلوم ہوتے ہیں۔

سونپے ہے فیضِ ہوا صورتِ مژگانِ یتیم — سر رشتۂ نمِ دو جہاں ابر بیک سطرِ غبار

ہوا کے فیض نے ایک سطر کو جو بخط غبار لکھی ہے دونوں جہان ابر کی یعنی بہت ابر کی تاثیر بخشدی ہے جیسے کہ مژگاں خاک آلودہ یتیم ایک سطر غبار آلودہ معلوم ہوتی ہے اور اس سے ہمیشہ آنسو ٹپکتے ہیں اسطرح اب سطر غبار کو جو غالباً ابر کے چھوٹے ٹکڑے سے مراد ہے دو جہان کی خاصیت سونپ دی ہے یا یہ کہ ہوا اتنی مرطوب ہے کہ غبار جسکا مزاج خشک ہے اوسکو بھی مرطوب بنا دیا ہے یعنی ہمانیز ذرا سا غبار نظر آنا بھی سامان بارش ہے۔

کاٹ کر پھینکئے ناخن تو بہ اندازِ ہلال — قوتِ نامیہ اُسکو بھی نہ چھوڑے بیکار

قوت نامیہ وہ قوت جو سبزہ وغیرہ کو بڑھاتی اور بالیدگی بخشتی ہے اوسکا یہ زور ہے کہ ایک ناخن تراش کر پھینک دیجئے تو اوس کو بھی ہلال سے بدر بنا دے گی۔

کفِ ہر خاک بگردوں شدہ قمری پرواز — دامِ ہر کاغذِ آتش زدہ طاؤس شکار

ایک مٹھی خاک جو اڑتی ہے وہ قمری معلوم ہوتی ہے کیونکہ ہوا نے ہر شے میں جان ڈالدی ہے اور کسی شے کا اڑنا دلیل جاندار ہونے کی ہے۔ قمری کی تشبیہ کف خاک سے دیتے ہیں اسواسطے کف خاک پرندہ کو قمری کہا گیا۔ دوسرے مصرعہ میں کہتا ہے کہ اگر کاغذ کو جلا دیجئے تو اس میں جو نقطہ پڑتے ہیں بس سے دام کی تصویر بنجاتی ہے جسمیں سیکڑوں طاؤس نظر آتے ہیں۔ یہ دونوں تمثیلیں بھی بے مثل ہیں یعنے بوجہ رنگ کے قمری کو کف خاکستر اور بوجہ مشابہ ہونے کے کاغذ آتش زدہ کو دام طاؤس کہا ہے۔

میکدہ میں ہو اگر آرزوئے گل چینی — بھول جا یک قدحِ بادہ بہ طاقِ گلزار

اگر تو چاہے کہ میکدہ میں پھول بھی چنئے تو ایک شراب کا پیالہ طاق گلزار میں رکھ کر بھول جا

یا یہ کہ قوت نامیہ اس پیالہ کے ہمراہ میں پیالے بنا دے گی۔ اور میکدہ بنجائے گا۔ تو اس صورت میں تو شراب خانہ میں بھٹکر بھول بھی چن سکے گا۔

گم کرے گوشہ میخانہ میں گر تو دستار — موج گل ڈھونڈھ بخلوت کدۂ غنچہ باغ

اگر تو اپنی پگڑی گوشہ میخانہ میں بھول جائے تو ہوا اسکو بصورت موج گل بنا دے گی اور سوچ سے پھر تجھکو وہ گوشہ میخانہ میں نہ ڈھونڈنا چاہیئے بلکہ باغ میں خلوت خانہ غنچہ میں وہ تجھکو بصورت موج گل ملے گی۔ ایک نازک تشبیہ اسمیں یہ ہے کہ پگڑی جب تک بندھی ہے بصورت غنچہ ہے اور جب کھل کر گر گئی تو گویا وہ گل ہو گئی۔

کھینچے گر مانی اندیشہ چمن کی تصویر — سبز مثل خط نوخیز ہو خط پرکار

یہ جوش بہار ہے کہ اگر مانی اندیشہ چمن کی تصویر کھینچنے کا ارادہ کرے تو سبزہ نوخیز کی طرح خط پرکار سبز ہو جائے۔

لعل سے کی ہے پئے زمزمۂ مدحت شاہ — طوطی سبزۂ کہسار نے پیدا منقار

چونکہ پہاڑ سے لعل بھی پیدا ہوتا ہے اور سبزہ بھی وہاں ہے تو گویا یہ دونوں ملکر طوطی مدحت سرائے شاہ ہو گئیا ہے۔ سبزہ طوطی۔ لعل منقار طوطی۔

وہ شہنشاہ کہ جسکی پئے تعمیر سرا — چشم جبریل ہوئی قالب خشت دیوار

اوس طوطی کا ارادہ اس بادشاہ کی مدحت سرائی کا ہے جسکی تعمیر قصر کے لئے اینٹیں قالب چشم جبریل سے بنی ہیں۔

فلک العرش ہجوم خم دوش مزدور — رشتہ فیض ازل ساز طناب معمار

فلک العرش اوسکی تعمیر قصر کے لئے ایک خم ہے جسمیں مزدور پانی بھر کر لاتے ہیں سلسلہ فیض ازلی بصورت اس رشتہ کے ہے کہ جس سے معمار اندازہ کجی و راستی دیوار کا کرتے ہیں۔

سبزہ نہ چمن و یک خط پشت لب بام — رفعت ہمت صد عارف و یک اوج حصار

ہفت آسمان کا سبزہ اور ایک خط پشت لب بام قصر ممدوح اور سو عارفوں کی ہمت بلند اور ایک اوج حصار موصوف برابر ہیں۔ واؤ دونوں مصرعوں میں مساوات کے لئے ہے نظم طباطبائی نے لکھا ہے کہ اردو میں یہ واؤ مستعمل نہیں ہے مگر کوئی پوچھے کہ یہ شعر ہی اردو کا کہاں ہے مصنف کا کمال بیان اور قادر الکلامی ہے کہ فارسی کا شعر اردو سے جدا نہیں معلوم ہوتا۔ سبزہ نہ چمن سے سبزہ کی کثرت بھی مراد ہو سکتی ہے۔

واں کے خاشاک سے حاصل ہو جسے یک پر کاہ — وہ رہے مروحہ بال پری سے بیزار

اگر وہاں سے کسی کو ایک مٹھی خار و خاشاک ملجائے تو پھر اسکو بازوئے پری کے پنکھوں سے نفرت ہو جائے گی۔

خاک صحرائے نجف جوہر سیر عرفا — چشم نقش قدم آئینہ بخت بیدار

صحرائے نجف کی خاک عارفوں کی سیر کا جوہر ہے۔ جوہر وہ جس سے دوسری شئے قائم ہو اور اسکی ذات بذات خود قائم ہو۔ یعنی عارفاں کامل کی سیر کا باعث اگر ہے تو خاک نجف ہے یعنی اسکی وجہ سے انہیں سیر کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ اور اس سیر میں جو نقش قدم اوس خاک پر پڑتے ہیں وہ گویا آئینہ ہیں جسمیں بخت بیدار کی تصویر نظر آتی ہے

ذرہ اس گرد کا خورشید کو آئینہ ناز — گرد اس دشت کی امید کو احرام بہار

ذرہ خورشید پر ناز کرتا ہے گو اس پر عکس اس کے وہاں کی خاک کا ہر ذرہ خورشید کے لئے آئینہ ناز ہے اور وہاں کی گرد امید کے لئے جامہ احرام ہے جس سے کعبہ بہار کا طواف کریگی۔ دوسرے مصرعہ میں غلو ہے خاک کی پاکی میں کہ وہاں کی خاک جسم امید پر باعث شرف و مقبولیت و سبب قرب بارگاہ ہے

آفرینش کو ہے واں سے طلب مستی ناز — عرض خمیازۂ ایجاد ہے ہر موج غبار

ارباب پیدائش عالم وہاں سے فخر مستی ناز حاصل کرنا چاہتی ہے وہاں کی ہر موج غبار ایک

208

انگڑائی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ انگڑائی شرابی کو نشہ کے آثار کے وقت آیا کرتی ہے گویا دیار نجف غبار انگڑائی لیتی ہے وہ چاہتی ہے کہ شراب کی تیزی حاصل کرے یعنی اس جگہ کی پیدائش کا پھر خمار فخر کرے کہ مجھی سے اس سرزمین مبارک نجف پیدا ہوئی

مطلع ثانی

فیض سے تیری ہے اے شمع شبستان بہار — دل پروانہ چراغاں پر بلبل گلزار

اے کاشانۂ بہار کی شمع نورانی تیرا فیض اسکو پہونچا ہے دل پروانہ میں چراغاں کی اور بلبل کے پر میں گلزار کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے یعنی تیرے سبب سے سبکی مراد حاصل ہوتی ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ تیرا فیض اسکو پہونچا ہے دل پروانہ میں تیری محبت کے سوز و گداز سے جو داغ پڑے وہ چراغاں کا عالم پیش نظر کرتے ہیں اور وہی پرواز کا مقصود ہے اور پر بلبل پر تیری محبت کے نقش نے گلزار بنا دیا ہے اور وہ اسکا عین مطلوب ہے۔ مگران رعایتوں کے باوجود معنی اولے زیادہ صاف ہیں۔

شکل طاؤس کرے آئینہ خانہ پرواز — ذوق میں جلوہ کے تیرے بہوائے دیدار

آئینہ خانہ تیرے جلوے کے شوق میں پرواز کرتا ہے آئینہ خانہ کی مور سے تشبیہ نہایت عمدہ ہے مگر پرواز طاؤس پر مجھے ایک قصہ یاد آگیا۔ فیضی نے اپنی مثنوی نلدمن کا حمد کا پہلا شعر یہ لکھا تھا

اے در تگ و پوئے تو ز آغاز — طاؤس نظر بلند پرواز

فخر کے ساتھ دربار میں سنایا۔ تو پہلے مصرعہ کو سنکر عرفی نے کہا۔ کہ خوش گفتی مگر دوسرے مصرعہ پر عرفی نے ناک بھوں سمیٹ کر کہا کہ فیضی طاؤس را چہ پرواز ازیں بام تا ایں بام۔ بگو عنقائے نظر الخ۔

انصاف پسند فیضی علامہ تھا چاہتا تو تاویل کرتا مگر مصرعہ کو بدل دینا ہی انسب سمجھا

تیری اولاد کے غم سے ہے بروئے گردوں — سلک اختر میں مہ نو مژہ گوہر بار

تیری اولاد کے غم میں ہلال ایک مژہ اشکبار ہے یعنی جو آنسو نکلتے ہیں وہ موتی

ہیں اختر کو مژہ اشکبار اور اختر کو گوہر قرار دیا ہے۔

ہم عبادت کو ترا نقش قدم مہر نماز — ہم ریاضت کو ترے حوصلہ سے استظہار

تیرا نقش قدم سجدہ گاہ عبادت ہے تیرے ہی حوصلہ سے عبادت کو قوت پہونچتی ہے۔

مدح میں تیری نہاں زمزمۂ نعت نبی — جام سے تیرے عیاں بادۂ جوش اسرار

تیری مدح سرائی کرنا عین رسول مقبول کی مدح سرائی ہے۔ تیرا جام محبت جو پیتا ہے وہ بادۂ اسرار سے سرشار ہو جاتا ہے۔

جوہر دست دعا آئینہ یعنی تاثیر — یکطرف نازش مژگاں و دگر سو غم خار

دست دعا آئینہ ہے جسکا جوہر تاثیر ہے۔ وہ ایک طرف مژگان اشک فشاں کے لیے مایۂ ناز ہے تو دوسری طرف حسرت دل کے واسطے خار غم ہے کیونکہ۔ دعا کرتے وقت مژگاں سے آنسو نکلتے ہیں جن سے دعا مقبول ہوتی ہے اس سبب سے تو وہ جوہر آئینۂ دست دعا یعنی تاثیر فخر مژگاں ہے دوسری طرف چونکہ حسرت دل میں تاثیر کی وجہ سے مٹ جاتی ہے اوسکے لیے خار غم ہے یا یہ وہ جوہر آئینہ دونوں چیزوں کا سبب ہے کہ ایک طرف اس سے مژگان کو ناز ہے دوسری طرف وہ کانٹا بنی ہوئی ہے یعنی کانٹے سے مشابہ ہے۔

یہ بھی معنی پیدا ہوتے ہیں کہ سب جگہ آئینہ میں جوہر ہوتا ہے لیکن یہاں معاملہ برعکس ہے دست دعا کا جوہر آئینہ ہے اور آئینہ سے مراد تاثیر ہے آئینہ سے تاثیر کی تشبیہ اس لیے دی ہے کہ آئینہ بھی حسن و قبح ناظر کو ظاہر کرتا ہے اور تاثیر بھی نتیجہ دعا کو ظاہر کرتی ہے۔ اس لیے گویا یہ آئینہ تاثیر ہے جس نے نتیجہ یہ ظاہر کیا ہے کہ ایک طرف مژگاں کو فخر ہے اور دوسری طرف غم خار ہے یعنی دست دعا کا جوہر آئینہ۔ اور آئینہ تاثیر تو گویا تاثیر جوہر ہے اور اسی جوہر کے دو اثر ہیں ایک طرف نازش مژگاں اور دوسری طرف خار دل غم اس صورت میں جوہر دست دعا آئینہ کے انوکھی ترکیب ہونے کا اعتراض ہی اوٹھ گیا جو نظم صاحب نے اپنی شرح میں غالب کیا ہے

مردمک سے ہو عزا خانۂ اقبال نگاہ — خاک در کی ترے جو چشم نہ ہو آئینہ دار

جو آنکھ تیرے خاک در کی تابع فرمان نہو خدا کرے کہ وہ اقبال نگاہ کے لیئے عزاخانہ بنجائے اور پُتلی جو سیاہ پوش اور ماتمی لباس پہنے ہوئے ہے اوس گھر کی عزادار ہو یعنی وہ ہمیشہ اقبال کا سوگ کیا کرے اور کبھی اوسکو کامرانی کا منھ دیکھنا نصیب نہو۔

دشمن آل نبی کو بہ طرب خانۂ دہر
عرض خمیازۂ سیلاب ہو طاق دیوار

دشمن ال نبی کو خدا کرے کہ دنیا کے طرب خانہ میں ہر طاق دیوار طرب خانہ مبنع سیلاب طوفاں حوادث ہو جائے۔ یہ شعر بھی دعائیہ ہے۔

دیدہ تا دل اسد آئینہ یک پرتو شوق
فیض معنی سے خط ساغر راقم سرشار

اے اسد آنکھ سے لیکر دل تک میں ایک پرتو شوق بنا ہوا ہوں اور اسیوجہ اور اسی فیض سے میرا خط ساغر شوق شراب معنی سے لبالب ہے۔

دہر جز جلوۂ یکتائی معشوق نہیں
ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہوتا خودبیں

اس شعر میں کئی معانی پیدا ہوتے ہیں۔ اول تو یہ کہ دنیا کا قیام محض یکتائی معشوق ہی سے ہے اگر حسن سوائے اپنے دوسرے کو دیکھنا پسند کرتا تو دنیا رہ نجاتی۔ یعنی اگر تجلی انوار دنیا پر پڑتی تو یہ جلکر خاک ہو جاتی اور اس کا کہیں وجود نہ رہتا۔

دوسرے اگر حسن یکتائی کو پسند نہ کرتا یکتا نہوتا۔ یعنی ذات باریتعالی واحد و لاشریک نہ ہوتی تو آسمانوں اور زمینوں میں فساد ہو جاتا۔ اور یہ سبب بر بادی کائنات تھا (لو کان فیہما الہۃ الا اللہ لفسدتا) تیسرے۔ یہ کہ تکوین کائنات محض تماشائے خود بینی کے لیئے ہیں یعنی حسن طرح طرح سے اپنے جلوہ کو دیکھنا چاہتا ہے۔

یا یہ کہ حسن نے اپنے جلوۂ یکتائی ہی سے کام رکھا ورنہ اگر ایسا نہوتا تو نہ معلوم ہم کہاں اور کس صورت کس عالم میں ہوتے اشارہ مذہب صوفیا رقایل ہمہ از دست و ہمہ اوست کی طرف۔

بیدلی ہائے تماشا کہ نہ عبرت ہے نہ ذوق
بیکسیہائے تمنا کہ نہ دنیا ہے نہ دیں

ہم تماشائے دہر میں مصروف ضرور ہیں مگر نہایت بیدلی سے کہ جس سے نہ کوئی عبرت

حاصل کرتے ہیں نہ کوئی ذوق۔ ہماری تمنا بالکل بیکس ہے کہ نہ دنیا حاصل ہوتی ہے نہ دین حاصل ہوتا ہے یعنی اگر ہم تماشائے نیرنگئ عالم سے عبرت حاصل کریں تو دین کا فائدہ ہے اور اگر لطف پیدا ہو تو دنیا کا مزا ہے مگر یہاں تو بیدلی کے ساتھ تماشا ہے جس سے کوئی تمنا پوری نہیں ہوتی۔

ہرزہ ہے نغمۂ زیر و بم ہستی و عدم
لغو ہے آئینۂ فرق جنون و تمکیں

یعنی خیالات ہستی و عدم اور جنون و وقار میں فرق کرنا یہ سب لغو ہے سوائے وحدت وجود کے خیال کے ساری باتیں بیکار ہیں زیر و بم اور ہستی و عدم میں لف ونشر ہے زیر سے عدم اور بم سے ہستی کو مشابہ کیا ہے یعنی اور اشیا کا خیال و ذکر فضول ہے بس۔

نقش معنی ہمہ خمیازۂ عرض صورت
سخن حق ہمہ پیمانۂ ذوق تحسیں

آجکل نقش معنی سے یعنی اوسکی دعویداری سے اپنی ظاہرداری کی آراستگی اور ذکر حق سے ذوق تحسین کا کام لیا جاتا ہے باقی کچھ نہیں۔

لاف دانش غلط و نفع عبادت معلوم
درد یک ساغر غفلت ہے چہ دنیا و چہ دیں

دانشمندی کا ادعا اور شیخی بالکل فضول ہے اس سے گویا دین کی طرف سے غفلت کرنا ہے اور عبادت بامید نفع بالکل فضول ہے دین تو دین دنیا کو بھی اسکے ہاتھوں غارت کیا جاتا ہے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ یہ دونوں امور حق پرستی و حق شناسی سے غافل کرنے والے ہیں۔

مثل مضمون وفا باد بدست تسلیم
صورت نقش قدم خاک بفرق تمکیں

باد بدست ہمیو دن بیہودگی۔ یعنی جیسے مضمون وفا بیہودہ اور فضول ہے اسی طرح تسلیم و رضا بیکار ہے یا اسکا نتیجہ پشیمانی و پریشانی ہے۔ تمکین مثل نقش قدم کے خاک بسر اور پریشان ہے۔ مطلب یہ کہ تسلیم و رضا کا کوئی نتیجہ۔ نہ تمکین سے کوئی فائدہ۔

عشق بے ربطیٔ شیرازۂ اجزائے حواس — وصل زنگارِ رخِ آئینۂ حسنِ یقیں

عشق کا نتیجہ یہ ہے کہ شیرازہ حواس درہم وبرہم ہوجائے۔ اور وصل حسن یقین کے آئینہ پر زنگ پیدا کرتا ہے یعنی وصل سے جُدائی ثابت ہوتی ہے اور اس یقین کے آئینہ پر کہ ہم وہی ہیں زنگ لگتا ہے لہذا دونوں بیسود۔

کوہکن گرسنہ مزدورِ طرب گاہِ رقیب — بیستوں آئینۂ خوابِ گرانِ شیریں

فرہاد عاشق کیا ہے اپنے رقیب کے عشرت کدہ کا مزدور ہے اور بے ستون کیا ہے شیریں کے خواب گراں کا آئینہ ہے جس سے فرہاد حیران وپریشان اور جاں بلب ہے یعنی عاشق اس مصیبت میں ہے اور اُسے خبر نہیں یہی مضمون غزل میں کہہ چکے ہیں۔

کس نے دیکھا نفسِ اہلِ وفا آتش خیز — کس نے دیکھا اثرِ نالۂ دلہائے حزیں

آجکل کے جو اہل وفا ہیں اُن میں آتش خیزی نہیں ہے اور اسی لئے بے اثر وبیکار ہیں ایک جگہ کہتے ہیں۔

سہ وفائے دلبراں ہے اتفاقی ورنہ اے ہمدم — اثر فریاد دلہائے حزیں کا کس نے دیکھا ہے

یعنی نہ نالوں میں دردانگیزی اور آتش خیزی نہ فریاد میں اثر ریزی ہر شے بدل گئی ہے

سامعِ زمزمۂ اہلِ جہاں ہوں لیکن — نہ سر و برگِ ستایش نہ دماغِ نفریں

لوگ جو کچھ زمزمہ سرائی کرتے ہیں اُنہیں سن لیتا ہوں مگر اسکی پروا نہیں ہے نہ ستایش کی تمنا اور نہ نفرین کا دماغ۔

کس قدر ہرزہ سرا ہوں کہ عیاذاً باللہ — یک قلم خارجِ آدابِ وقار و تمکیں

معاذاللہ میں بھی کتنا بیہودہ گو ہوں۔ آداب وقار وتمکیں سے سراسر خارج ہوں۔ یہی اس قصیدہ کا مخلص وگریز ہے۔

نقشِ لاحول لکھ اے خامۂ ہذیاں تحریر — یا علی عرض کر اے فطرتِ وسواس قریں

اے قلم تو وسوسات سے نزدیک ہے اور جو کچھ ابتک لکھا وہ سب بیہودہ بکا لہذا اب یا علی لکھ کہ ہذیاں سرائی اور وسواس شیطانی سے نجات پائے۔

مظہرِ فیضِ خدا جان و دلِ ختمِ رسل — قبلۂ آلِ نبی کعبۂ ایجادِ یقیں

فیض خدا کے حضرت علی کرم اللہ وجہہ مظہر ہیں اور رسول خاتم النبیں کے پیارے ہیں آل نبی کے قبلہ وکعبہ یقین کے موجد ہیں۔

ہو وہ سرمایۂ ایجاد اگر گرمِ خرام — ہر کفِ خاک ہے واں گردۂ تصویرِ زمیں

اگر وہ سرمایہ ایجاد چلیں اور گرم رفتار ہوں تو ہر کف خاک اُس زمین کی جسپر پائوں کے نقش پڑیں تصویر ربع مسکوں بنجائے۔ کیونکہ وہ سرمایہ ایجا اور باعث ایجاد عالم ہیں۔

جلوہ پرداز ہو نقشِ قدم اسکا جس جا — وہ کفِ خاک ہے ناموسِ دو عالم کی امیں

جس جگہ اُن کا نقش قدم پڑے اتنی زمین ننگ وناموس عالم کی زمین ہے یعنی سبب عزوافتخار کونین وہی زمین ہے۔

نسبتِ نام سے اُسکے ہے یہ رتبہ کہ رہے — ابداً پشتِ فلک خم شدۂ نازِ زمیں

یہ اوسکے نام کا شرف ہے کہ ہمیشہ زمین کے ناز اُٹھانے کے لئے آسمان کی پشت جھکی رہتی ہے نسبت نام اس وجہ سے کہا کہ حضرت علی کی کنیت ابوتراب ہے اور تراب مٹی کو کہتے ہیں نظم صاحب نے اس شعر پر بھی المعنی فی بطن الشاعر کا الزام لگایا ہے اور یہ اسوجہ سے کہ ابوتراب کا لفظ شعر میں نہیں ہے۔ مگر جب ذہن فوراً اس لفظ کی طرف بسبب نسبت نام کے فقرہ کے منتقل ہوتا ہے تو یہ الزام بیجا ہے۔

فیضِ خلق اسکا ہی شامل ہے کہ ہوتا ہے سدا — بوئے گل سے نفسِ بادِ صبا عطر آگیں

یہ اُسی کے خلق کا فیض گل کو پہونچا ہے کہ وہ خوشبودار ہے۔ اور باد صبا کو بھی وہ فیض پہونچاتا ہے۔

بُرِشِ تیغ کا اُس کے ہے جہاں میں چرچا　　قطع ہو جائے نہ سر رشتۂ ایجاد کہیں

چونکہ اس کی تلوار کی کاٹ کا ذکر ہے تو کچھ تعجب نہیں کہ سر رشتۂ ایجاد منقطع ہو جائے

کفر سوز اسکا وہ جلوہ ہے کہ جس سے ٹوٹے　　رنگِ عاشق کی طرح رونقِ بتخانۂ چیں

اُس کا جلوہ وہ کفر سوز ہے جس سے بتخانۂ چین کی رونق عاشق کے رنگ کی طرح اُڑ جائے یہ رنگ شکستن کا ترجمہ ہے۔

جاں پناہا دل و جاں فیض رساناں شاہا　　وصیِ ختمِ رُسُل تو ہے بہ فتوائے یقیں

اے تو میری جان پناہ اے میرے دل و جان اے فیض رساں اے بادشاہ تو رسول مقبول کا یقینی وصی ہے مصنف اپنے جوشِ عقیدت میں اپنے مذہب کے موافق یہ لکھ گئے ہیں ورنہ یہی وہ مسئلہ ہے جسنے دنیائے اسلام میں دو گروہ سنی و شیعہ بنا دیئے۔ حالانکہ آج حضرت علی ہیں۔ نہ حضرت عمرؓ اور یہ سب جھگڑا اور اسکا اعادہ فضول سے کم نہیں ہے۔

جسمِ اطہر کو ترے دوشِ پیمبرؐ منبر　　نامِ نامی کو ترے ناصیۂ عرش نگیں

تو راکبِ دوشِ پیمبر ہے اور تیرا نامِ نامی عرشِ اعظم پر نقش ہے۔

کس سے ممکن ہے تری مدح بغیر از واجب　　شعلۂ شمع مگر شمع پہ باندھے آئیں

جیسے شعلہ شمع ہی شمع کی زینت کر سکتا ہے ایسے ہی تیری تعریف خدا کے سوائے کوئی نہیں کر سکتا۔

آستاں پر ہے ترے جوہرِ آئینۂ سنگ　　رقمِ بندگیِ حضرتِ جبریلِ امیں

انسانوں کو جو جان دل اور دین ملے ہیں تو گویا یہ خدا نے تیرے سنگِ آستاں پر نثار

کرنے کا سامان کر دیا ہے۔

تیری مدحت کے لئے ہیں دل و جاں کام و زباں　　تیری تسلیم کو ہیں لوح و قلم دست و جبیں

دل و جان کام و زبان سب تیری تعریف کرنیکے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ لوح و قلم ہاتھ اور جبیں کیطرح تیری سلام کرنے کے لیے بنے ہیں لوح کو جبیں۔ اور قلم کو ہاتھ سے بلحاظ محل کے مثل تشبیہ ہے۔

کس سے ہو سکتی ہے مداحیِ ممدوحِ خدا　　کس سے ہو سکتی ہے آرائشِ فردوسِ بریں

ایسا کوئی نہیں ہے جو ممدوحِ خدا کی مداحی کرے اور ایسا کوئی نہیں جو فردوس کو جو خود آراستہ ہے اور زیادہ رونق دے سکے۔

جنسِ بازارِ معاصی اسد اللہ اسد　　کہ سوا تیرے کوئی اوسکا خریدار نہیں

میں بازارِ معاصی کی ایک جنس ہوں اور مجھے کوئی سوائے تیرے قبول نہیں کر سکتا اور میں قطعاً ناکارہ ہوں۔

شوخیِ عرضِ مطالب میں ہے گستاخِ طلب　　ہے ترے حوصلۂ فضل پہ از بسکہ یقیں

چونکہ اسد اللہ کا عقیدہ یہ ہے کہ تو کریم ہے اسواسطے اپنے مطالب کے عرض کرنے میں وہ نہایت شوخ اور بے باک ہے۔ اور گستاخی سے اپنی تمناؤں کے پورے ہونیکا متمنی ہے۔

دے دعا کو مری وہ مرتبۂ حسنِ قبول　　کہ اجابت کہے ہر لفظ پہ سو بار آمیں

تو میری دعا کو ایسا حسن قبول کا رتبہ عطا کر کہ میں دعا مانگوں اور قبول ہر بار آمیں کہے

غمِ شبیر سے ہو سینہ یہاں تک لبریز　　کہ رہیں خونِ جگر سے مری آنکھیں رنگیں

غم حضرت شبیر یہاں تک میرے سینہ میں بھر جائے کہ ہر وقت ان سے خون ٹپکے گویا دل و جگر ساغر لبریز ہوں اور آنکھوں کی راہ سے چھلکتے رہیں۔

طبع کو الفتِ دُلدل میں یہ سرگرمیِ شوق کہ جہاں تک چلے اُس سے قدم اور مجھ سے جبیں

میری طبیعت کو دلدل کی محبت میں یہ سرگرمی ہو کہ وہ جہاں تک چلے میں وہاں تک سجدہ کروں

دل الفت نسب و سینہ توحید فضا نگہ جلوہ پرست و نفس صدق گزیں

میرے دل میں نسب الفت بھرا رہے اور میرا سینہ توحید کا میدان ہو یعنی اسمیں توحید ہی توحید ہو میری نگاہ مئے جلوۂ خیالی سے سرشار رہے اور میرے نفس میں صدق و صفا رہے پہلے مصرعہ کی دونوں ترکیبوں کو نظم صاحب نے مہمل لکھدیا ہے لیکن نہیں لکھا کہ کیوں؟ لہذا کیا لکھیں

صرفِ اعدا اثرِ شعلہ و دودِ دوزخ وقفِ احباب گل و سنبلِ فردوسِ بریں

دشمنوں کے لیے دود دوزخ صرف ہوا اور دوستوں کو بہشت وقف ہو۔ دوزخ کے دھوئیں کے مقابلہ میں سنبل لایا گیا ہے اور یہ مشابہت نہایت خوب ہے۔

ہاں مہِ نو سنیں ہم اسکا نام جسکو تو جھک کے کر رہا ہے سلام

اے ماہ نو ذرا اُسکا نام ہمیں بھی تو بتا جسکو تو جھک جھک کر سلام کر رہا ہے یہ ہلال عید سے مراد ہے۔

دو دن آیا ہے تو نظر دمِ صبح یہی انداز اور یہی اندام

چھبیسویں تاریخ رمضان کو روزہ دار چاند کو ڈھونڈتے ہیں اگر چھبیس کو دکھائی دیا تو خیال ہوتا ہے کہ انتیس کا چاند ہوگا۔ پھر ستائیسویں کو بھی دیکھتے ہیں اگر تو یقین کیا جاتا ہے کہ ۳۰ تاریخ کو ہوگا۔ یعنی تو دو دن اسی صورت سے دکھائی دیا ہے۔

بارے دو دن کہاں رہا غائب بندہ عاجز ہے گردشِ ایّام

دو دن تو تو دکھائی دیا مگر دو روز کہاں غائب رہا مگر ٹھیک ہے تیری خطا نہیں تو گردش

کا بندہ ہے اور اس سے عاجز و مجبور ہے۔

مجھے دو تین دوسرے شعرا کی بھی وہ تمثیلیں یاد آئیں جو انھوں نے چاند کے لئے لکھی ہیں مناسب موقع لکھتا ہوں۔

خسرو دہلوی: به بین اندر رکوع آن پاره نور — ہلالش گوئے خواہی خواہ ذوالنون

سلمان ساوجی: زورق زریں کہ درگرداب این دریا نیں — غرق شد چوبے ازاں بر روے دریا دید آمد

نظام استرآبادی: بچشم اہل خرد زورقی پر از نیل است — در آب غرق شود زود زورق پر بار

اڑ کے جاتا کہاں کہ تاروں کا آسماں نے بچھا رکھا تھا دام

تو گردش ایام کا بندہ اور اس سے مجبور ہے آسماں نے تاروں کا جال بچھا رکھا تھا اس سے تو باہر نہ آسکا۔

مرحبا اے سرورِ خاص خواص حبذا اے نشاطِ عامِ عوام

اے باعث سرور خاص و عام مرحبا مرحبا۔

عذر میں تین دن نہ آنے کے لیکے آیا ہے عید کا پیغام

آنے کے دن کو بھی شامل کر لیا ہے۔ یعنی اس تین دن کے نہ آنیکا بدل تو نے اس صورت سے کیا ہے کہ آیا تو عید کا پیغام لیکر آیا۔

اُسکو بھولا نہ چاہیے کہنا صبح جو جائے اور آئے شام

یہ ایک محاورہ ہے اور اسے اس موقع پر کہ تو صبح کو غائب ہوا شام کے وقت آ نکلا مصنف نے ایسی اچھی طرح نظم کیا ہے کہ یہی شعر سو قصیدوں کا لطف رکھتا ہے۔

ایک میں کیا کہ سب نے جان لیا ترا آغاز اور ترا انجام

ایک میں کیا ہوں سب تیرے انجام اور آغاز کو سمجھ چکے ہیں کہ ہلال بکہ کے معنے میں ہے یعنی تو گھٹ کر فنا ہو گیا تھا اور اب پھر آب و تاب کے ساتھ نکلا ہے۔

راز دل مجھسے کیوں چھپاتا ہے　　مجھکو سمجھا ہی کیا کہیں نمّام

تو اپنے دل کا بھید شاید مجھے اس لئے نہیں بتاتا ہے کہ مجھے تو نے غالباً چغل خور سمجھا ہے

جانتا ہوں کہ آج دنیا میں　　ایک ہی ہے اُمیدگاہ عوام

یہ مجھے معلوم ہے کہ دنیا میں آج ایک ہی جگہ ہے جس سے لوگوں کی امیدیں وابستہ ہیں۔

میں نے مانا کہ تو ہے حلقہ بگوش　　غالب اوسکا مگر نہیں ہے غلام

میں جانتا اور مانتا ہوں کہ تو اُس در کا حلقہ بگوش غلام ہے مگر کیا غالب اوسکا غلام نہیں ہے۔ حلقہ بگوش غلام ہلال کے لئے ایک خاص لطف رکھتا ہے۔

جانتا ہوں کہ جانتا ہے تو　　تب کہا ہے بطرز استفہام

یعنی میں نے جو یہ کہا ہے کہ غالب اوس کا مگر نہیں ہے غلام یہ استفہام اقراری واستخباری ہے تو یہ اسوجہ سے میں نے کہا ہے کہ میں جانتا ہوں کہ تو یہ جانتا ہے کہ میں بھی اوسیکا غلام ہوں ۔

مہر تاباں کو ہو تو ہو اے ماہ　　قرب ہر روزہ بر سبیل دوام

اگرچہ آفتاب تاباں کو اس در کی شرف ملازمت کا روز فخر حاصل ہوتا ہے۔

تجھکو کیا پایہ روشناسی کا　　جز بہ تقریب عید ماہ صیام

گر تجھے روشناسی اور باریابی کا یہی ایک عید الفطر پر موقع ملتا ہے۔

جانتا ہوں کہ اُسکے فیض سے تو　　پھر بنا چاہتا ہے ماہ تمام

مجھے یہ معلوم ہے کہ تو اُسکے فیض سے اب پھر بدر بنے گا۔

ماہ بن ماہتاب بن میں کون　　مجھکو کیا بانٹ دے گا تو انعام

اچھا جو چاہے بن ہمیں کیا ہم کون ہیں کوئی تو اپنا انعام ہمیں تھوڑا ہی دیدے گا یہ شعر بھی زبان کا بہترین نمونہ ہے۔

میرا اپنا جُدا معاملہ ہے　　اور کے لین دین سے کیا کام

میرا معاملہ اور ہے مجھے دوسروں کے انعام کی کیا پرواہ ہے کوئی محروم تھوڑی ہوں کہ پرواہ کروں۔

ہے مجھے آرزوئے بخشش خاص　　گر تجھے ہے امید رحمت عام

تو رحمت اور کرم عام پر پھولا ہوا ہے مگر مجھے بھی ایسی بخشش کی امید اور آرزو ہے جو خاص میرے لئے ہے اور ایسا فیض تو جیسا تجھے پہونچے گا ہزاروں کو پہونچتا ہے۔

جو کہ بخشے گا تجھکو فر فروغ　　کیا نہ دے گا مجھے مئے گلفام

جو تجھے چاندنی کے لائق کرے گا وہ مجھے اُس چاندنی کا لطف اٹھانے کے لئے شراب نہ دیگا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

جب کہ چودہ منازل فلکی　　کر چکی قطع تیری تیزئی گام

جب تو چودہ منزلیں طے کر چکے یعنی چودھویں کا چاند بنجائے۔ اور۔

تیرے پرتو سے ہوں فروغ پذیر　　کوئے و مشکوئے و صحن و منظر و بام

اور تیری چاندنی ہر گلی کوچہ اور در و دیوار صحن و بام پر پھیل جائے۔

دیکھنا میرے ہاتھ میں لبریز　　اپنی صورت کا اک بلوریں جام

پھر میرے ہاتھ میں ایک ساغر بلوریں شراب سے بھرا ہوا دیکھنا۔

پھر غزل کی روش پہ چل نکلا　　توسن طبع چاہتا تھا لگام

میرے توسن طبع کے لئے ذکر شراب و جام ایک چابک بن گیا اور پھر غزل کے راستہ پر چل دیا۔

زہر غم کر چکا تھا میرا کام　　تجھکو کس نے کہا کہ ہو بدنام

یعنی میں آپ ہی مر رہا تھا معشوق نے کیوں مجھے مارا اور ناحق بدنام ہوا۔

مے ہی پھر کیوں نہ میں پئے جاؤں　　غم سے جب ہو گئی ہے زیست حرام

ہماری زندگی ہی جب غم نے حرام کر دی ہے تو پھر اب شراب پینے میں کیا حرج ہے زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ وہ بھی حرام ہے۔ سو یہاں زندگی حرام ہے۔
یا یہ کہ شراب کیونکر نہ پیوں اوس سے کم از کم غم تراشی تو ہوتی ہے۔

بوسہ کیسا یہی غنیمت ہے　　کہ نہ سمجھیں وہ لذت دشنام

بوسہ سے میں درگذرا صرف یہ چاہتا ہوں کہ انہیں اُس لذت کی خبر نہ ہو جو مجھے گالیاں کھانے میں ملتی ہے۔ ورنہ پھر وہ گالیاں بھی نہ دینگے۔

کعبہ میں جا بجائیں گے ناقوس　　اب تو باندھا ہے دیر میں احرام

ہمارا کچھ قیام نہیں ہے ہم کوئی مذہب نہیں رکھتے ہیں اب دیر میں احرام باندھا ہے جو یہاں کے خلاف ہے کل کعبہ میں جائینگے وہاں ناقوس بجائینگے جو وہاں کے خلاف ہوگا۔

اُس قدح کا ہے دور مجھکو نقد　　چرخ نے جس سے لی ہے گردش دام

مجھے اُس جام کا دور مفت ملتا ہے جس سے چرخ کو گردش تک قرض لی ہے یعنی آسمان جس جام کے لئے گردش میں ہے وہ مجھے مفت ملتی ہے۔

بوسہ دینے میں انکو ہے انکار　　دل کے لینے میں جنکو تھا ابرام

جنھوں نے ضد کر کے مجھ سے دل لیا تھا وہ مجھے بوسہ دینے میں انکار کرتے ہیں۔

چھیڑتا ہوں کہ اُن کو غصہ آئے　　کیوں رکھوں ورنہ غالب اپنا نام

میں نے چھیڑنے کو اپنا نام غالب رکھا ہے تاکہ اُن کو اس نام پر غصہ آئے۔

کہہ چکا میں تو سب کچھ اب تو کہہ　　اے پری چہرہ پیک تیز خرام

اے چاند میں تو سب کچھ کہہ چکا اب تو کچھ کہہ بوجہ حسن کے پری اور بوجہ گردش کے چاند کو پیک تیز خرام کہا گیا۔

کون ہے جس کے در پہ ناصیہ سا　　ہیں مہ و مہر زہرہ و بہرام

تو مجھے یہ بتا کہ وہ کون ہے جسکے در پر چاند سورج زہرہ مریخ سب ادب سے سجدے کرتے ہیں

تو نہیں جانتا تو مجھ سے سُن　　نام شاہنشہ بلند مقام

لے اگر تو نہیں جانتا تو اُس بادہ شاہ عالی مقام کا میں نام بتاتا ہوں۔

قبلہ چشم و دل بہادر شاہ　　مظہر ذوالجلال والاکرام

میری آنکھ اور دل کا وہ قبلہ ہے اس لئے کہ وہ مظہر جلال واکرام ہے میری آنکھ کی امیدیں اوسی سے وابستہ ہیں اور میرے دل کا وہی مرجع ہے

شہسوار طریقۂ انصاف　　نو بہار حدیقۂ اسلام

طریق انصاف کا وہ شہسوار اور باغ اسلام کی تازہ بہار ہے۔

جسکا ہر فعل صورت اعجاز　　جس کا ہر قول معنی الہام

جسکا ہر فعل معجزہ اور ہر قول الہام معلوم ہوتا ہے۔

بزم میں میزبان قیصر و جم ‏ رزم میں اُوستاد رستم و سام

قیصر وجم اوسکے مہمان اور وہ میزبان ہے یہ اوسکی بزم آرائی ہے اور رزم و معرکہ میں رستم پیلتن اور سام زیان کا اُستاد ہے۔

اے ترا لطف زندگی افزا ‏ اے ترا عہد فرخی فرجام

یہان سے مدح سے خطاب کی طرف گریز کیا ہے۔ یعنی اے وہ شخص کہ تیری مہربانی سے زندگی بڑہتی ہے اور تیرا زمانہ ایک مبارک زمانہ ہے۔

چشم بد دور خسروانہ شکوہ ‏ لوحش اللہ عارفانہ کلام

تیری سیاست شاہانہ ہے اور ماشاء اللہ تیرا کلام عارفانہ کلام ہے۔

جان نثاروں میں تیرے قیصر روم ‏ جرعہ خواروں میں تیرے مرشد جام

قیصر روم ایسے عالی مرتبت تیری جان نثاروں میں ہیں اور مولانا جامی ایسے تصوف و معرفت میں تجھسے فیض حاصل کرتے ہیں

وارث ملک جانتے ہیں تجھے ‏ ایرج و تور و خسرو و بہرام

ایرج اور تور اور خسرو اور بہرام جو بڑے عالیشان بادشاہ ہوگذرے ہیں تجھے تخت و تاج کا صحیح وارث سمجھتے ہیں۔

زور بازو میں مانتے ہیں تجھے ‏ گیو و گودرز و بیژن و رہام

گیو گودرز بیژن اور رہام جیسے پیلتن پہلوان تیری زور بازو کو مانتے ہیں اور اُسکے قایل ہیں۔

مرحبا موشگافی ناوک ‏ آفرین آبداری صمصام

تیرے ناوک کی موشگافی کا کیا کہنا اور تیری تیغ کی ابداری کی کیا بات ہے۔

تیر کو تیرے تیر غیر ہدف ‏ تیغ کو تیری تیغ خصم نیام

تیرا تیر غیر کے تیر کو بیندہ کر گذر جاتا ہے اور تیری تلوار دشمن کی تلوار کو کاٹ دیتی ہے یہ لف و نشر مرتب بھی ہے۔

رعد کا کر رہی ہے کیا دم بند ‏ برق کو دے رہا ہے کیا الزام

تیرے فیل گران جسد کی صدا ‏ تیرے رخش سبک عنان کا خرام

تیرے تناور اور بڑے ہاتھی کی آواز نے رعد کا دم بند کر رکھا ہے اور تیرے گھوڑے کی چال برق کو آہستہ چلنے کا الزام دے رہی ہے۔ لف و نشر مرتب ہے اور اس انداز بیان کی تعریف غیر ممکن ہے۔

فن صورت گری میں تیرا گُرز ‏ گر نہ رکھتا ہو دستگاہ تمام

اسکے مضروب کے سر و تن سے ‏ کیوں نمایاں ہو صورت ادغام

اگر تیرا گرز گراں فن تصویر کشی میں قدرت نہیں رکھتا تو کیا وجہ ہے کہ اُسکے مضروب کے سر و جسم سے صورت ادغام ظاہر ہونے لگتی ہے۔ دونوں شعر دست و گریبان ہیں

جب ازل میں رقم پذیر ہوئے ‏ صفحہائے لیالی و ایام

جب ازل میں دن رات کے صفحہ مرتب ہوئے جب دن رات پیدا کئے گئے یعنی جب دنیا پیدا ہوئی۔

اور ان اوراق میں بہ کلک قضا ‏ مجملاً مندرج ہوئے احکام

اور ان صفحوں میں بطریق مجمل کلک قضا نے احکام لکھے۔

لکھدیا شاہدوں کو عاشق کش ‏ لکھدیا عاشقوں کو دشمن کام

معشوقوں کے لئے یہ حکم لکھا گیا کہ یہ عاشقوں کا خون کیا کرینگے۔ اور عاشقوں کی

216

تقدیر میں یہ رقم ہوا کہ انکی زندگی نصیب دشمناں ہوگی۔

آسماں کو کہا گیا کہ کہیں گنبدِ تیز گردِ نیلی فام

آسمان کو یہ حکم ہوا کہ اسکو سب گنبد تیز گرد نیلی فام کہیں گے۔

حکمِ ناطق لکھا گیا کہ لکھیں خال کو دانہ اور زلف کو دام

یہ فیصلہ کر دیا گیا کہ خال کو دانہ اور زلف کو دام لکھیں گے۔

آتش و آب و باد و خاک نے لی وضعِ سوز و نم و رم و آرام

آگ کو جلنے اور پانی کو نمی اور خاک کو آرام اور ہوا کو رم کی خاصیتیں عطا ہوئیں۔

مہرِ رخشاں کا نام خسروِ روز ماہِ تاباں کا اسم شحنۂ شام

آفتاب کو خسرو روز اور ماہ تاباں کو شحنۂ شام کا خطاب دیا گیا۔

تیری توقیع سلطنت کو بھی دی بدستور صورتِ ارقام

حسب دستور تیرے فرمان سلطنت کے لئے بھی حکم لکھا گیا۔

کاتبِ حکم نے بموجبِ حکم اُس رقم کو دیا طرازِ دوام

کاتب قضا نے بموجب حکم کاتب تقدیر یا قسام ازل اُسپر ہمیشگی کا طغرا بنا دیا۔
کہ یہ دائمی رہیگی۔

ہے ازل سے روانیِ آغاز ہو ابد تک رسائیِ انجام

یہ ازل سے جاری ہے اور خدا کرے کہ ابد تک اسکے انجام کی رسائی ہو۔
مصنف کا یہ قصیدہ زبان تمہید تشبیب وغیرہ کے لحاظ سے ایسا ہے کہ اسکے معاصرین
میں کسی کے یہاں شاید نہ نکلے گا۔ اردو شاعری کے لئے مایہ ناز اور خلعت فخر مصنف کیلئے

صبحدم دروازۂ خاور کھلا مہرِ عالمتاب کا منظر کھلا

صبح کے وقت مشرق کا دروازہ کہلا یعنی صبح ہوئی۔ اور جہاں سے سورج نکلتا ہے
وہ منظر صاف ہوگیا۔

خسروِ انجم کے آیا صرف میں شب کو تھا گنجینۂ گوہر کھلا

رات کو موتیوں کا خزانہ کہلا ہوا تھا یعنی ستارے نکل رہے تھے اون کو سلطان خاور
یعنی آفتاب نے خرچ کر ڈالا۔ یعنی ستارے چھپ گئے۔

وہ بھی تھی اک سیمیا کی سی نمود صبح کو رازِ مہ و اختر کھلا

صبح کو یہ بات ظاہر ہوئی ہے کہ وہ مہ و اختر جو رات کو آسمانیر معلوم ہوتے تھے دراصل
کچھ نہ تھے اک سیمیائی نمود تھی سیمیا ایک فن ہے جس سے کچھ چیزیں جنکا وجود نہ ہو نظر آنے
لگیں۔ اور وہ شکلیں عجیب و غریب ہوں۔

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ دیتے ہیں دھوکا یہ بازیگر کھلا

یہ ستارے اصل میں تو کچھ ہیں اور کچھ کے کچھ دکھائی دیتے ہیں۔ گویا یہ بازیگر ہیں جو
کھلا دھوکہ دیتے ہیں یعنی یہ بہت نورانی معلوم ہوتے ہیں مگر اصل میں ایسے نہیں ہیں۔

سطحِ گردوں پر پڑا تھا رات کو موتیوں کا ہر طرف زیور کھلا

یعنی رات سطح آسمان پر ان کی چمک دمک ایسی معلوم ہوتی تھی جیسے موتیوں کا زیور
کھلا پڑا ہوتا ہے اور اسکی چمک دمک آدمی کو حیران اور بصارت کو ماند کر دیتی ہے۔

صبح آیا جانبِ مشرق نظر اک نگارِ آتشیں رخ سر کھلا

صبح کو ایک معشوق آتشیں رخسار سر کھلا ہوا مشرق کی جانب دکھائی دیا۔

تھی نظر بندی کیا جب ردِ سحر — بادۂ گلرنگ کا ساغر کھلا

مگر نہیں وہ ایک دہوکہ ہوا اور ہمنے سمجھ لیا کہ یہ کوئی معشوق نہیں ہے یہاں جادو کا کارخانہ ہے لہذا کچھ اسمائے ردِ سحر پڑھے تو وہ صورت بدلی اور معلوم ہوا کہ یہ شراب سرخ کا بھرا ہوا پیالہ ہے۔

لاکے ساقی نے صبوحی کے لئے — رکھدیا ہی ایک جام زر کھلا

صبوحی وہ شراب جو دفع خمار کے لیئے صبح کو پیتے ہیں یعنی ساقی نے صبوحی کے لئے ایک جام زر شراب سے بھر کر رکھدیا ہے گویا یہ تیسرا دہوکہ ہوا پہلے معشوق آتشین رخسار دوسری بار ساغر پر از بادہ سرخ تیسری بار ساغر زر۔

بزم سلطانی ہوئی آراستہ — کعبۂ امن و اماں کا در کھلا

یعنی جب صبح ہوئی تو بزم سلطانی آراستہ ہوئی اور دربار شاہی کا دروازہ کھل گیا۔

تاج زریں مہر تاباں سے سوا — خسرو آفاق کے منھ پر کھلا

شاہ جمجاہ کے سر پر تاج نے ایسی زینت دی کہ آفتاب عالمتاب بھی ایسا نہیں معلوم ہوتا

شاہ روشندل بہادر شہ کہ ہی — رازِ ہستی اسپہ سرتاسر کھلا

اور وہ بادشاہ کون ہے شاہ روشندل بہادر شاہ جسکے ضمیر روشن پر اسرار جہان کھلے ہوئے ہیں۔

وہ کہ جسکی صورت تکوین میں — مقصد نہ چرخ و ہفت اختر کھلا

وہ کہ جسکے پیدا ہونے کے سبب سے نو آسمانوں اور ساتوں سیّاروں کے پیدا ہونے کا مطلب ظاہر ہوگیا یعنی یہ سب اسی کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔

اسمین بھی فارسی ترکیب میں اعلان نون ہے مصنف کے عندیہ میں یہ جایز ہی

اور غالباً زمانۂ غالب تک اس سے بہت کم لوگ پرہیز کرتے تھے اسی لئے مصنف نے بھی کئی جگہ بے پروائی کے ساتھ لکھا ہے چونکہ نظم صاحب نے جابجا لکھا ہے کہ ناجائز ہے لہذا ہم اپنے قول کی تائید میں کچھ مثالیں پیش کرتے ہیں اتفاق سے پہلے شعر میں دو باتیں جن دونوں پر نظم صاحب کے اعتراض ہیں ایک اعلان نون۔

دوسرے تسیر جنکی نسبت مولانا نے لکھا ہے کہ کسی کے کلام مین نہیں دیکھا گیا۔

جرأت — کیا لڑکپن کا ہی عالم اس بُت نادان کا — بھولی بھولی صورت اور تسیرہ بالا کان کا
دبیر — صاحب دین محب شہ دلگیر ہے یہ — روح حیدر کی قسم عاشق تسیر ہے یہ
انشا — لالہ مراد شمن ہی آج اسپہ نہ کیجئے — کردیجئے کسی مرد مسلماں پہ چھٹی
انشا — انشا کو معافی ہوئی ہی باغ جناں کی — حاضر ہی یہ لیجئے شہ مردان کی چھٹی
ظفر — نہیں عشق عزیزوں سے سرخرو ہرگز — ہوئے ہیں ایسے لہو زیر آسمان سفید
ظفر — روز گھر غیروں کے رہنا تجھے مہمان طریق — یہ بھی کوئی ہی بھلا ای بُت نادان طریق
وفا — کاہن تمام تابع فرمان ہو گئے — دفتر منجموں کے پریشان ہو گئے
قلندر — ذوق مے نوشی گلشن ہی نجانوں کسکو — کف سیمین میں نرگس کے طلائی ہی ایاغ

وہ کہ جسکے ناخن تاویل سے — عقدۂ احکام پیغمبر کھلا

احکام گویا عقدے ہیں اور اون کی تاویل ناخن ہیں۔ گویا انھوں نے احکام رسول کی تفسیریں کی ہیں۔

پہلے دارا کا نکل آیا ہے نام — اُسکے سرہنگوں کا جب دفتر کھلا

دارا باوجودیکہ بڑا بادشاہ تھا۔ مگر اُسکے سپاہیوں کی فہرست میں پہلے دارا ہی کا نام لکھا ہوا ہے۔

روشناسوں کی جہاں فہرست ہے — واں لکھا ہی چہرۂ قیصر کھلا

اسکے روشناسوں کی فہرست میں قیصر کا نام بھی ہے۔ نظم صاحب لکھتے ہیں کہ دونوں شعروں میں دارا اور قیصر کی تخصیص بیجا ہے۔ معلوم نہیں اسکس میں

کیا قباحت ہے اگر ایک نکرہ اور ایک معرفہ لکھا تو کیا گناہ مراد مبالغہ جاہ و حشم سے ہے سو وہ ہر حال میں موجود ہے۔

توسن شہ میں ہے وہ خوبی کہ جب
تھان سے وہ غیرت صرصر کھلا

نقش پا کی صورتیں وہ دلفریب
تو کہے بتخانۂ آذر کھلا

بادشاہ کے گھوڑے میں یہ خوبی ہے کہ جب وہ تھان سے کھلا اور سرگرم خرام ہوا تو اُس کے نقش پا سے ایسی ایسی دلفریب صورتیں بنیں گویا بُت خانہ آذر کھل گیا۔

مجھ پہ فیض تربیت سے شاہ کے
منصب مہر و مہ و محور کھلا

بادشاہ کے تربیت کے فیض سے مجھے سورج چاند محور وغیرہ کا حال معلوم ہو گیا۔ اور ان کے حقائق تک میں پہونچ سکا محور ایک لکیر ہے کہ قطبین کے کرہ کے درمیان میں ہے۔

لاکھ عقدے دل میں تھے لیکن ہر ایک
میری حد وسع سے باہر کھلا

دل میں لاکھ عقدے تھے اور ہر ایک اُنمیں سے ایسا تھا کہ میرے کھولے کھل نہ سکتا تھا مگر اوسکے فیض سے ہر ایک کھل گیا۔

تھا دل وابستہ قفل بے کلید
کس نے کھولا کب کھلا کیونکر کھلا

میرا دل ایک قفل بے کلید تھا۔ مگر اب وہ کھل گیا نہیں معلوم کسنے کھولا اور یہ کب کھلا اور کیونکر کھلا۔

باغ معنی کی دکھادوں گا بہار
مجھ سے گر شاہ سخن گستر کھلا

اگر حضور پر نور نے مجھ سے بے تکلفی کا برتاؤ کیا تو میں باغ معنی کی بہار اور شاعری کا لطف دکھا دوں گا۔

ہو جہاں گرم غزلخوانی نفس
لوگ جانیں طبلہ عنبر کھلا

جسوقت میں غزل پڑھنی شروع کر دوں گا تو لوگوں کو گمان ہوگا کہ کہیں عنبر کا ڈبہ کھلا ہے نفس سانس کو کہتے ہیں یہاں یہی مراد ہے یعنی اُس نفس غزلخواں سے خوشبوئیں نکلیں گی۔

(غزل) بحر

کنج میں بیٹھا رہوں یوں پر کھلا
کاشکے ہوتا قفس کا در کھلا

ہائے گوشۂ قفس میں اسطرح سے پر کھلا ہوا بیٹھا رہوں کاش پر کھلے تھے تو قفس کا دروازہ بھی کھلا ہوتا ورنہ اس حالت میں یہ کھلے ہوئے پر اور ستم کرتے ہیں۔

ہم پکاریں اور کھلے یوں کون جائے
یار کا دروازہ پاویں گر کھلا

اس شعر سے دو معنی نکلتے ہیں۔ ایک یہ کہ مصنف کہتا ہے۔ یار کا دروازہ کھلا ہوا دیکھ کر جانے کو جی نہیں چاہتا۔ یوں تو گویا ہر ایک آدمی جا سکتا ہے نہیں لطف تو جب ہے کہ دوسروں سے بند رہے اگر کھلے تو صرف ہمارے واسطے کھلے۔

دوسرے یہ کہ ہمکو اتنی تاب کہاں ہے کہ ہم دروازہ پر دستک دیں تب دروازہ کھلے یوں وہاں کون جائے ہم تو اس صورت سے جا سکتے ہیں کہ دروازہ کھلا ہوا پائیں۔

ہمکو ہے اس رازداری پر گھمنڈ
دوست کا ہے راز دشمن پر کھلا

ہم بھی کیا سادہ لوح ہیں اتنی ہی رازداری پر ہمکو ناز ہے کہ دشمن پر دوست کا راز کھلا ہوا ہے یعنی یہ ہم کسی سے نہیں کہتے اور اس سے خوش ہیں۔

واقعی دلپر بھلا لگتا تھا داغ
زخم لیکن داغ سے بہتر کھلا

داغ دلپر واقعی اچھا معلوم ہوتا تھا۔ مگر اب داغ نہیں ہے اب زخم ہے اور یہ اس سے بھی بہت اچھا معلوم ہوتا ہے۔ بہت خوب شعر کہا۔ ہے حسن ردیف قابل دید ہے۔

ہاتھ سے رکھدی کب ابرو نے کمان
کب کمر سے غمزہ خنجر کھلا

219

یعنی اوسکی ابرو کمان ہی نہیں ہے بلکہ کماندار اور غمزہ خنجر ہی نہیں خنجر گداز ہے اور کبھی ان دونوں نے اپنے کام سے غفلت نہیں کی۔

مفت کا کسکو بُرا ہے بدرقہ　　رہبری میں پردۂ رہبر کھلا

یعنی رہبر کی ناواقفی کا حال ہمپر کھل گیا اور ہم سمجھ گئے کہ یہ ہماری منزل تک ہمکو نہیں پہونچا سکتا مگر مفت کا ساتھی کیا بُرا ہے۔

سوز دل کا کیا کرے باران اشک　　آگ بھڑکی منھ اگر دم بھر کھلا

باران اشک کچھ نہ کچھ دلمیں ٹھنڈک پیدا ضرور کرتا ہے مگر اسکو کیا کرے کہ دم بھر بھی منھ کھلتا ہے تو سوز دل سے آگ بھڑک اٹھتی ہے۔

نامہ کے ساتھ آگیا پیغام مرگ　　رہگیا خط میری چھاتی پر کھلا

کیا حسرت کا نقشہ کھینچا ہے کہ جسکی تعریف کے لئے الفاظ نہیں ملتے۔ یعنی ہزاروں آرزوں لاکھوں تمناؤں کے بعد خط آیا مگر ساتھ ساتھ پیغام مرگ بھی آگیا اور خط پڑھنے بھی نہ پائے کہ مرگئے اور خط چھاتی پر کھلا رہگیا۔

دیکھیو غالب سے گر الجھا کوئی　　ہے ولی پوشیدہ اور کافر کھلا

دیکھنا غالب سے کوئی الجھ نہ بیٹھنا وہ ظاہر میں تو کافر ہے مگر دراصل ولی ہے۔ اور یہ دونوں صفات اوسمیں موجود ہیں پوشیدہ اور ظاہر میں خاص لطف ہے۔

پھر ہوا مدحت طرازی کا خیال　　پھر مہ و خورشید کا دفتر کھلا

یعنی غزل لکھنے کے بعد مدح کا خیال آیا اور اشعار تاباں مثل مہ و خورشید میرے قلم سے نکلے۔

خامہ نے پائی طبیعت سے مدد　　بادباں بھی اُٹھتے ہی لنگر کھلا

ادہر قلم اُٹھایا اُدہر طبیعت نے اوسکی مدد کی جیسے بادبان اٹھتے ہی لنگر کھولدیا چونکہ کشتی میں بھی روانی ہوتی ہے اور طبیعت میں بھی روانی پائی جاتی ہے لہذا یہ الفاظ جمع کئے گئے

مدح سے ممدوح کے دیکھے شکوہ　　یاں عرض سے رتبۂ جوہر کھلا

جیسے عرض بغیر جوہر کے نہیں پایا جاتا ایسے ہی بغیر ممدوح مدح نہیں پائی جاتی کہتا ہے کہ عرض جوہر سے زینت پذیر ہوتا ہے لیکن مدح نے ممدوح کے شکوہ کو بڑھا دیا گویا عرض جوہر سے بڑھ گیا۔

مہر کانپا چرخ چکر کھا گیا　　بادشہ کا رایت لشکر کھلا

بادشاہ کا یہ رعب داب ہے کہ اسکے رایت لشکر کو دیکھ کر سورج کانپ اُٹھا اور آسمان چکر کھا گیا۔

بادشاہ کا نام لیتا ہے خطیب　　اب علوِ پایۂ منبر کھلا

یعنے منبر کے رتبہ کا یہ سبب ہے کہ خطیب بادشاہ کا خطبہ پڑھنے کی حالت میں اوسپر کھڑا ہوکر بادشاہ کا نام لیتا ہے۔

سکّہ شہ کا ہوا ہے روشناس　　اب عیار آبروئے زر کھلا

جو زر پر بادشاہ کا سکہ ہے یہ اوسکی آبرو کا سبب ہے لفظ عیار ایک نگینہ ہے اور روشناس ایک موتی قدرداں جوہری سمجھ سکتے ہیں۔

شاہ کے آگے دھرا ہے آئینہ　　اب مآل سعی اسکندر کھلا

سکندر نے جو آئینہ کی ایجاد میں زحمت اٹھائی تھی اوسکا نتیجہ اب معلوم ہوا ہے کہ اوس آئینہ کو بادشاہ دیکھتے ہیں۔

ملک کے وارث کو دیکھا خلق نے　　اب فریب طغرل و سنجر کھلا

طغرل اور سنجر نے فریب سے بادشاہت کی تھی ورنہ دراصل وارث تخت و تاج میرا

ممدوح ہے یہ نہیں تھے اب سب کو اُنکا فریب معلوم ہوگیا۔

ہو سکے کیا مدح ہاں اک نام ہے   دفتر مدح جہاں داور کھلا

مجھ سے اوسکی مدح کیا ہو سکتی ہے۔ دفتر مدح جہاں داور خالی ایک نام ہے کھلا اس شعر میں محض کے معنے میں استعمال کیا گیا ہے جو اگرچہ بعض جگہ بولتے ہیں مگر کچھ غیر مانوس سا ہے

فکر اچھی پر ستایش ناتمام   عجز اعجاز سخن گستر کھلا

فکر مدح گستری میں اگرچہ سخنور نے اعجاز سے کام لیا۔ مگر اوسکی مدح بے پایان ہے پھر بھی ناتمام رہی۔

جانتا ہوں ہے خط لوح ازل   تمپر اے خاقان نام آور کھلا

مجھے یہ معلوم ہے کہ اے خاقان نام آور تمھیں تحریر لوح ازل کا حال سر بسر معلوم ہے لہٰذا مجھے عرض حال کی ضرورت نہیں ہے۔

تم کرو صاحبقرانی جب تلک   ہے طلسم روز و شب کا در کھلا

آپ تا قیامت صاحب قران رہیں صاحبقران بادشاہ عظیم الشان فاتح جلیل سے مراد ہے۔ اور اصطلاح اہل نجوم میں اُسکو صاحبقران کہتے ہیں کہ جسکی سال ولادت میں زحل اور مشتری کا قران عظمٰے ہوا ہو واضح ہو کہ ایسا قران مدتوں میں واقع ہوتا ہے اور جسکی ولادت کے وقت زہرہ اور مشتری کا قران ہوتا ہے وہ صاحبقران بادشاہ ہوتا ہے۔

در صفت انبہ

ہاں دل دردمند زمزمہ ساز   کیوں نہ کھولے در خزانہ راز

ہاں دل دردمند زمزمہ ساز تو خزانہ راز کا دروازہ کیوں نہیں کھولتا۔ نظم صاحب نے لکھا ہے کہ تو حذف کر دیا ہے مگر یہ برُا معلوم ہوتا ہے۔ مگر واقعہ یہ نہیں ہے۔ اس طرح

زیادہ بولتے ہیں کہ یہ کام کیوں نہ کرے اور تو کے ساتھ کم۔

خامہ کا صفحہ پر رواں ہونا   شاخ گل کا ہے گل فشاں ہونا

خامہ جو صفحہ پر چلتا ہے اور اس سے الفاظ لکھے جاتے ہیں وہ گویا شاخ گل ہے جس سے پھول جھڑتے ہیں۔

مجھ سے کیا پوچھتا ہے کیا لکھئے   نکتہائے خرد فزا لکھئے

اے دل تو مجھ سے پوچھتا ہے کہ کیا لکھوں۔ کچھ خرد افزا نکتے لکھ۔

بارے آموں کا کچھ بیاں ہو جائے   خامہ نخل رطب فشاں ہو جائے

کچھ ایسے مضامین لکھ جس میں آموں کا بیان ہو اور اس بیان شیریں کے اثر سے خامہ سے بھی شیریں مضامین نکلنے لگیں۔

آم کا کون مرد میداں ہے   ثمر و شاخ گوے و چوگاں ہے

مگر آم کا کون مقابلہ کر سکتا ہے۔ ورنہ ہمیں گو دہمیں چوگاں جو چاہے آئے مقابلہ کرے ثمر کو گو۔ اور شاخ کو چوگاں سے تشبیہ دی ہے۔

تاک کے جی میں کیوں رہے ارماں   آئے یہ گوے اور یہ چوگاں

تاک اپنے دل مین ارماں کیوں رکھے آئے اور مقابلہ کرے تاک بمعنے انگور کی بیل۔

آم کے آگے پیش جائے خاک   پھوڑتا ہے جلے پھپھولے تاک

مگر تاک کیا آم کا مقابلہ کر سکتا ہے اور کیا اس کا بس چل سکتا ہے۔ اسی سے جلکر اسکے دل میں پھپھولے پڑ گئے ہیں انگور کی تشبیہ پھپھولوں سے تشبیہ تام اور بے مثل ہے ممکن ہے کہ اردو شاعری میں اسکا جواب نہ نکلے۔

۲۲۱

نہ چلا جب کسی طرح مقدور　　بادۂ ناب بن گیا انگور

جب اور کسی طرح اس کا بس نہ چلا تو اسنے اپنے جلے پھپھولے اسطرح پھوڑے کہ شراب بن گیا۔

یہ بھی ناچار جی کا کھونا ہے　　شرم سے پانی پانی ہونا ہے

مگر یہ مقابلہ بھی کوئی مقابلہ ہے یہ تو مجبوری درجہ اپنی جان کھو دینا۔ اور شرم سے پانی ہو جانا ہے سبحان اللہ سبحان اللہ کے سوائے ان کی کیا تعریف ہوسکتی ہے۔

مجھسے پوچھو تمھیں خبر کیا ہے　　آم کے آگے نیشکر کیا ہے

نظم صاحب نے گنّے کو آم سے مقابلہ کرنا۔ ایک ذلیل مضمون لکھا ہے۔ اور صرف اسکی وجہ اور باعث اگلے شعر کے مضمون کو لکھا ہے مگر اسکا سبب یہ نہیں ہے بلکہ اسکی وجہ وجیہ یہ ہے کہ عوام اور دوسرے ملک کے لوگ کہا کرتے ہیں کہ ہندوستاں میں دو میوے یا دو چیزیں ایسی پیدا ہوتی ہیں جو نئی ہیں اور دوسری جگہ نہیں ہوتیں۔ ایک آم۔ دوسرے گنا۔ گنّے کے ذکر کی یہی وجہ مصنف کے ذہن میں بھی جیسا کہ سیاق کلام سے بھی ظاہر ہے کہ کہتا ہے تم کیا جانو گنّے اور آم کا کیا مقابلہ مجھسے سنو۔

نہ گل اسمیں نہ شاخ و برگ و بار　　جب خزاں آئے تب ہو اسکی بہار

گنّے میں نہ پھول نہ پتے نہ ہری ہری شاخیں نہ پھل۔ اور اسپر طرہ یہ کہ دنیا بھر میں خزاں ہوتی ہے اور اسکی بہار۔ موسم سرما میں گنّے کی بہار ہوتی ہے اور وہ خزاں کا زمانہ ہے۔

اور دوڑایئے قیاس کہاں　　جان شیریں میں یہ مٹھاس کہاں

اور اسکی تعریف کے لئے کیا کہا جاے بس یہ سمجھ لیجیے کہ جان اگرچہ شیریں ہے مگر اسمیں بھی یہ مٹھاس نہیں ہے۔

جان میں ہوتی گر یہ شیرینی　　کوہکن باوجود غمگینی

اگر جان شیریں میں یہ مٹھاس ہوتی تو کوہکن باوجود اسکے کہ غم میں تھا اور حالت غمگینی میں جان دینا آسان ہے۔

جان دینے میں اسکو یکتا جان　　پر وہ یوں سہل دے نہ سکتا جان

جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں اوس سے میری یہ غرض نہیں ہے کہ کوہکن جان دینے سے جی چراتا تھا۔ نہیں جان دینے میں تو وہ یکتا اور بے مثل تھا۔ مگر پھر بھی اس شیرینی کے لالچ سے اس آسانی سے جان نہ دے سکتا۔ (جان دینے میں اوسکو یکتا جان) یہ ایک جملہ معترضہ ہے۔

نظر آتا ہے یوں مجھے یہ ثمر　　کہ دواخانۂ ازل میں مگر

مجھے اس ثمر کی نسبت یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ازل کے دواخانہ میں۔ یہ ایک شربت بنایا گیا ہے۔

آتش گل پہ قند کا ہے قوام　　شیرہ کے تار کا ہے ریشہ نام

اور اس شربت کو آتش گل کی آنچ دی گئی ہے اور قوام میں جو تار بندھا ہے اوس کا نام ریشہ رکھا گیا ہے۔

یا یہ ہوگا کہ فرط رافت سے　　باغبانوں نے باغ جنت سے

انگبیں کے بحکم رب الناس　　بھر کے بھیجے ہیں سربمہر گلاس

یا یہ ہوگا کہ بحکم خداے عزوجل باغبانان جنت نے جنت سے یہ شہد کے گلاس بھر کر دنیا میں بھیجے ہیں اور انپر مہر لگا دی ہے جو ڈنٹھل سے مراد ہے۔

یا لگا کر خضر نے شاخ نبات　　مدتوں تک دیا ہے آب حیات

یا یہ بھی نہو یوں ہو کہ خضر نے شاخ لگائی ہو اور مدتوں اُس کو آب حیات دیا ہو۔

تب ہوا ہے ثمر فشاں یہ نخل　　ہم کہاں ورنہ اور کہاں یہ نخل

جب اسقدر محنت کی گئی تب کہیں یہ درخت پھل لایا ہے ورنہ بھلا ہمارا یہ منھ تھا کہ ہم یہ درخت لگاتے۔ اور پھل کھاتے۔ نخل عام درختوں کو کہتے ہیں۔

تھا ترنج زر ایک خسرو پاس　　رنگ کا زرد پر کہاں بو باس

خسرو پرویز کے پاس ایک ترنج زر تھا رنگ میں وہ زرد تو ضرور تھا مگر اس میں بو باس نہ تھی۔

آم کو دیکھتا اگر اکبار　　پھینک دیتا طلائے دست افشار

اگر خسرو آم کو دیکھ لیتا تو اُس ترنج کو پھینک دیتا۔ طلائے دست افشار خالص سونے کو کہتے ہیں اور چونکہ وہ ترنج ہاتھ سے دبانے سے دب جاتا تھا ایسی واسطے اوسکو طلائے دست افشار کہا گیا ہے۔

رونق کارگاہ برگ و نوا　　نازش دودمان آب و ہوا

کارگاہ برگ و نوا سے مراد درخت ہے۔ یعنی درختوں کی رونق۔ اور خاندان آب و ہوا کے لئے مایۂ ناز آب و ہوا سے فصل بہار بھی مراد ہو سکتی ہے۔ یا (دودمان آب و ہوا) باغ۔

رہرو راہ خلد کا توشہ　　طوبیٰ و سدرہ کا جگر گوشہ

چونکہ ایک جگہ آم کو شہد جنت کہہ چکے ہیں اسواسطے رہرو راہ خلد کا توشہ کہا گیا۔ ایک حدیث ہی کہ جس پیٹ میں کلونجی اور شہد جائینگے اوسمیں آگ دوزخ کی نہ پہونچے گی۔ اسی لئے نزع کی حالت میں شہد چٹاتے ہیں۔ اور اُس کا شربت وغیرہ دیتے ہیں۔ آم کے درخت کو طوبےٰ اور سدرہ کہا ہے۔

صاحب شاخ و برگ و بار ہے آم　　ناز پروردۂ بہار ہے آم

درخت آم کا صاحب برگ و بار ہے اور آم بہار کا ناز پروردہ ہے۔

خاص وہ آم جو نہ ارزاں ہو　　نو بر نخل باغ سلطاں ہو

اور خاصکر اوس آم کا کیا کہنا جو ہر جگہ دستیاب نہ ہو اور بادشاہی باغ کا ہو۔

وہ کہ ہے والیٔ ولایت عہد　　عدل سے اُسکے ہے حمایت عہد

اور بادشاہ بھی کون بادشاہ جو بادشاہ ولایت عہد و پیمان ہے اور جو زمانہ کا حامی ہے

فخر دین عز شان و جاہ و جلال　　زینت طینت و جمال و کمال

دین کے لئے باعث فخر و شان کے لئے عزت و جاہ و جلال علو پایہ کا نشاں طینت کے لئے زینت اور کمال کے لئے خوبصورتی اور جمال ہیں۔

کار فرمائے دین و دولت و بخت　　چہرہ آرائے تاج و مسند و تخت

دین دولت و بخت کا حکمراں تاج اور مسند اور تخت کے لئے زینت بخشنے والا ہے۔

سایہ اوسکا ہما کا سایہ ہے　　خلق پر وہ خدا کا سایہ ہے

اوسکا سایہ سایۂ ہما ہے گویا ہر شخص اُسکے زمانہ میں بادشاہ وقت ہے اوسکی مہربانی خدا کی مہربانی ہے کیونکہ وہ ظل اللہ ہے۔

اے مفیض وجود سایۂ و نور　　جب تلک ہے نمود سایۂ نور

اے نور اور سایہ کے فیض پہونچانے والے یعنی اے خدا۔ جب تک کہ دنیا میں سایہ اور نور کا وجود ہے

223

اس خداوند بندہ پرور کو وارث گنج و تخت و افسر کو

اوس وقت تک اس آقائے بندہ پرور و غلام نواز وارث تخت و تاج کو۔

شاد و دل شاد و شادماں رکھیو اور غالب پہ مہرباں رکھیو

پہلے مصرعہ میں جو الفاظ ہیں وہ سب ہم معنی ہیں۔ مگر ذرا ذرا سے تصرف سے لطف پیدا ہو گیا ہے لئے خدا اسکو خوش رکھنا اور مجھپر مہرباں رکھنا۔

قطعات

اے شہنشاہ فلک منظر و بے مثل و نظیر اے جہاندار کرم شیوۂ بے شبہ و عدیل

اے وہ بادشاہ کہ تیرا دیکھنا گویا تیرے علو مرتبت کے آسماں کے دیکھنے کے برابر ہے۔ اور تیرا شبہ و نظیر پیدا نہیں ہوا۔ اے جہاندار تیرا شیوہ کرم گستری ہے۔ اور تو اس میں بے شبہ و عدیل ہے۔

پاؤں سے تیرے ملے فرق ارادت اورنگ فرق سے تیرے کرے کسب سعادت اکلیل

تیرے پاؤں سے تخت اپنے سر کو ملتا ہے اور تیرے سر سے تاج کسب سعادت کرتا ہے چونکہ تخت پاؤں کے نیچے ہوتا ہے پہلے مصرعہ میں فرق ملنا کہا گیا۔

تیرا انداز سخن شانۂ زلف الہام تیری رفتار قلم جنبش بال جبرئیل

تیرے انداز سخن سے زلف الہام میں شانہ ہوتا ہے یعنی الہام کی باتیں کھل جاتی ہیں۔ تیرے قلم کی جنبش گویا جبرئیل کے پر کی جنبش ہے جس سے الہامی باتیں ظاہر ہو جاتی ہیں۔ ایک جگہ کہا ہے۔ غالب صریر خامہ نوائے سروش ہے۔

تجھ سے عالم پہ کھلا رابطۂ قرب کلیم تجھ سے دنیا میں بچھا مائدۂ بذل خلیل

تیرے قرب خداوندی کے دیکھنے سے گویا دنیا نے وہ ربط جو کلیم اللہ کو خداوند کریم سے تھا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تیری مہماں نوازی نے دنیا میں مائدۂ خلیل کی حالت پیدا کر دی۔

بہ سخن اوج دہ مرتبۂ معنی و لفظ بکرم داغ نہ ناصیۂ قلزم و نیل

سخنوری میں تیری یہ کیفیت ہے کہ معنی اور لفظ کا تو نے مرتبہ بلند کر دیا۔ اور کرم میں تیری یہ حالت ہے کہ دریائے نیل اور قلزم کے ماتھے پر بخل کا داغ لگا دیا۔ یا ان کو غلام بنا لیا یعنی اونکا کرم تیرے مقابلہ میں ہیچ ہے۔

تا ترے وقت میں ہو عیش و طرب کی توفیر تا ترے عہد میں ہو رنج و الم کی تقلیل

ماہ نے چھوڑ دیا ثور سے باہر جانا زہرہ نے ترک کیا حوت سے کرنا تحویل

اس لئے کہ تیرے وقت میں عیش و طرب کی زیادتی اور رنج و الم کی کمی ہو۔ ماہ نے برج ثور سے باہر جانا اور زہرہ نے حوت سے پھر جانا چھوڑ دیا اور وہیں قیام کر لیا۔ اور جب یہ دونوں ستارے ان برجوں میں آتے ہیں عیش و طرب کی زیادتی رہتی ہے

تیری دانش مری اصلاح مفاسد کی رہین تیری بخشش مری انجاح مقاصد کی کفیل

تیری دانشوری میری غلطیوں کی اصلاح اور تیری بخشش میری ضرورتوں کو پورا کرنے والی ہے تقابل الفاظ سے جو لطف پیدا ہوا ہے وہ قابل داد ہی نہیں ہے بلکہ اظہار کرتا ہے کہ مصنف کو الفاظ پر کسقدر زبردست قدرت حاصل ہے۔

تیرا اقبال ترحم مرے جینے کی نوید تیرا انداز تغافل مرے مرنے کی دلیل

تیرا رحم کرنا میرے لئے نوید زندگی اور تیری غفلت مرے مرجانے کی دلیل ہے غفلت سے لسبیے حال سے غفلت مراد ہے۔

بخت ناساز نے چاہا کہ نہ دے مجھکو اماں چرخ کجباز نے چاہا کہ کرے مجھکو ذلیل

224

میرے مقدر نے چاہا تھا کہ مجھکو امن نہ دے اور آسماں نے میری ذلت کا قصد کر لیا تھا

پیچھے ڈالی ہے سر رشتۂ اوقات میں گانٹھ پہلے ٹھونکی ہے بن ناخن تدبیر میں کیل

یعنی آسماں نے میرے ساتھ وہ دشمنی کرنی شروع کی ہے کہ میرے کسی کام میں گرہ لگا دی ہے پہلے میرے ناخن تدبیر کو بے کار کر دیا ہے کہ میں اسکو کھول نہ سکوں۔

تپش دم نہیں بے رابطۂ خوف عظیم کشش دم نہیں بے ضابطۂ جر ثقیل

میرے دل کی تڑپ بغیر خوف کے باقی نہیں رہی ہے۔ میرے دل میں حرکت بغیر خوف عظیم کے ہوتی ہی نہیں اور میرا دم لینا بغیر امداد جر ثقیل مشکل ہے۔

نظم صاحب نے اسکے معنی یہ لکھے ہیں کہ دل کی تپش خوف عظیم سے خالی نہیں اور سانس کا لینا میرے لیے جر ثقیل سے کم نہیں۔

دُرِ معنی سے مرا صفحہ لقا کی ڈاڑھی غم گیتی سے مرا سینہ عمرو کی زنبیل

جیسے لقا کی ڈاڑھی میں موتی پرو دئے گئے تھے ایسے ہی مرا سینہ معانی کے موتیوں سے بھرا ہوا ہے اور دنیا کے غموں سے میرا سینہ عمر و عیار کی زنبیل بن گیا ہے۔

فکر میری گہر اندوز اشارات کثیر کلک میری رقم آموز عبارات قلیل

میری فکر سے اشارات کثیر مترشح ہوتے ہیں اگرچہ میرے قلم نے عبارت کم لکھی ہے اور گویا یہی میری عادت ہے۔

میرے ابہام پہ ہوتی ہے تصدق توضیح میرے اجمال سے کرتی ہے تراوش تفصیل

میں ایک مبہم بات کہتا ہوں تو توضیح اسپر قربان ہوتی ہے میری مجمل بات سے تفصیل ٹپکتی ہے۔

نیک ہوتی مری حالت تو نہ دیتا تکلیف جمع ہوتی مری خاطر تو نہ کرتا تعجیل

اگر میری حالت اچھی ہوتی تو ابھی جس کام کے لئے تکلیف دی ہے تکلیف نہ دیتا اگر میں پریشان نہوتا تو جلدی نہ کرتا۔

قبلۂ کون و مکاں خستہ نوازی میں یہ دیر کعبۂ امن و اماں عقدہ کشائی میں یہ ڈھیل

اے قبلۂ کون و مکاں خستہ نوازی اور ذرہ پروری میں یہ دیر اور عقدہ کشائی میں اتنی ڈھیل نہ چاہیے۔ عقدہ کشائی میں ڈھیل نہایت ہی اچھا ٹکڑا ہے جو تعریف سے بالا ہے۔

گئے وہ دن کہ نادانستہ غیروں کی وفاداری کیا کرتے تھے تم تقریر ہم خاموش رہتے تھے

اب وہ زمانہ گیا کہ بغیر جانے بوجھے غیروں کی وفاداری کا حال آپ بیان کیا کرتے تھے اور ہم سنکر چپ ہو جاتے تھے۔

بس اب بگڑے پہ کیا شرمندگی جانے دو مل جاؤ قسم لے لو جو ہم یہ بھی کہیں کیوں ہم نہ کہتے تھے

اب جب غیروں سے بگڑ گئی ہے تو آپ نے ہم سے ملنا جلنا ترک کر دیا۔ مگر یہ شرمندگی فضول ہے ہم قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہم یہ بھی تو نہ کہیں گے کہ کیوں ہم نہ کہتے تھے۔

کلکتے کا جو ذکر کیا تو نے ہمنشیں اک تیر میرے سینے میں مارا کہ ہائے ہائے

اے ہمنشیں کلکتہ کا تو نے کیا ذکر کیا میرے سینہ میں اک تیر مار دیا اور مجھے یہ باتیں یاد آ گئیں۔

وہ سبزہ زار ہائے مطرا کہ ہے غضب وہ نازنیں بتان خود آرا کہ ہائے ہائے

وہ وہاں کے ہرے بھرے لہلہاتے ہوئے سبزے اور وہ وہاں کے خود آرا معشوق کہ بس ہائے ہائے۔

صبر آزما وہ اُنکی نگاہیں کہ حف نظر　　طاقت ربا وہ اُنکا اشارا کہ ہائے ہائے

ہائے ہائے وہ انکی صبر آزما نگاہیں کہ بس چشم بد دور اور وہ ان کے طاقت ربا اشارے

وہ میوہ ہائے تازہ و شیریں کہ واہ واہ　　وہ بادہ ہائے ناب گوارا کہ ہائے ہائے

وہ وہاں کے تازے اور شیریں میوے اور وہ وہاں کی شرابیں۔ یہ سب سماں اسوقت آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔

کلکتہ میں اگرچہ مرزا کا ایک ترکیب فارسی کی وجہ سے وہاں کے لوگوں سے جھگڑا بھی ہوگیا تھا جسکی بدولت مرزا نے مثنوی بادِ مخالف لکھکر ان لوگوں سے دوستانہ معافی مانگی ہے اور اُن لوگوں نے اوس مثنوی کا بھی نام سنکر مذاق اڑایا تھا مگر ان سب صدموں پر بھی شاید انہیں کلکتہ سے ایک غیر معمولی محبت ہوگئی تھی فارسی میں بھی کہتے ہیں سہ

خوشا روز و شب کلکتہ و عیش مقیمانش　　گور بز مہر و مگنائن بہادر ماہ تا بانش

ہے جو صاحب کے کفِ دست پہ یہ چکنی ڈلی　　زیب دیتا ہے سے جسقدر اچھا کہیے

مرزا نے اس قطعہ کی نسبت اردوئے معلےٰ میں لکھا ہے کہ مولوی کرم حسین میرے ایک دوست تھے اُنھوں نے ایک مجلس میں چکنی ڈلی بہت پاکیزہ اور بے ریشہ اپنے کفِ دست پر رکھکر مجھ سے کہا کہ اسکی تشبیہات نظم کیجیے۔ میں نے وہاں بیٹھے بیٹھے نو دس شعر کا قطعہ لکھکر ان کو دیا اور صلہ میں وہ ڈلی اُن سے لی۔

مطلب یہ ہے کہ آپ کے ہاتھ پر رکھی ہوئی ہے لہذا جسقدر اس ڈلی کو اچھا کہیں صحیح ہے۔

خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھیے　　ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیے

قلم حیراں ہے کہ اسے کیا لکھے اور زبان سر بگریباں ہے کہ اسے کیا کہے۔

مہر بازوئے عزیزاں گرامی لکھیے　　حرز بازوئے شگرفان خود آرا کہیے

اپنے عزیزوں کے خط کی مہر لکھدیں تو بیجا نہیں یا معشوقوں کے بازو کا تعویذ کہدیں۔

مسی آلود سرِ انگشت حسیناں لکھیے　　داغِ طرفِ جگرِ عاشقِ شیدا کہیے

معشوقوں کی مسی بھری پور کہئے یا عاشق کے جگر کا داغ کہئے۔

خاتم دست سلیماں کے مشابہ لکھیے　　سرِ پستان پریزاد سے مانا کہیے

خاتم دست سلیماں کا مشابہ ٹھرائیے یا سرِ پستان پریزاد کہیے۔

اخترِ سوختۂ قیس سے نسبت دیجئے　　خالِ مشکینِ رخ دلکش لیلا کہیے

یا قیس کا اختر سوختہ کہئے۔ یا رُخ دلکش لیلا کا خال کہئے۔

حجر الاسود دیوار حرم کیجئے فرض　　نافہ آہوئے بیابانِ ختن کا کہیے

حجر الاسود وہ پتھر جسے کعبہ میں بوسہ دیتے ہیں لکھئے یا نافۂ بیابان ختن کہئے۔

وضع میں اسکو اگر سمجھیے قافِ تریاق　　رنگ میں سبزۂ نوخیز مسیحا کہیے

اگر اسکو ہیئت کذائی ق تریاق کہئے تو رنگ میں مسیحا کا سبزہ نوخیز کہدیجے سمجھئے کی میم ساکن اچھی نہیں ہے۔

صومعہ میں اسے ٹھہرائیے گر مہرِ نماز　　میکدہ میں اسے خشتِ خمِ صہبا کہیے

اگر میکدہ میں خشت خم صہبا ہے تو عبادت خانہ میں مہر نماز ہے۔ یہ عابدوں کی سجدہ گاہ اور وہ مستوں کا سنگ بالش۔ غرض دونوں جگہ برابر رتبہ ہے۔

کیوں اسے قفلِ درِ گنج محبت لکھیے　　کیوں اسے نقطۂ پرکارِ تمنا کہیے

اُسے دروازہ خزانۂ محبت کا قفل کیوں کہیں اسے نقطۂ پرکار تمنا کیوں نہیں

کیوں اسے گوہر نایاب تصور کیجئے کیوں اسے مردمک دیدۂ عنقا کہئے

یہ کیا ضرورت ہے کہ اسے گوہر نایاب فرض کریں یا اسے مردمک دیدۂ عنقا کہیں۔

کیوں اسے تکمہ پیراہن لیلے لکھئے کیوں اسے نقش پئے ناقہ سلما کہئے

اسے پیراہن لیلا کا تکمہ کیوں لکھیں اور سلما۔ جو ایک عرب کی معشوقہ تھی اوسکے ناقہ کا نقش قدم کیوں ٹھہرائیں۔

بندہ پرور کے کفدست کو دل کیجئے فرض اور اس چکنی سپاری کو سویدا کہئے

یہ سب کچھ نہ ٹھہرایئے بس بہترین تشبیہ یہ ہے کہ آپ کے کفدست کو دل اور اس چکنی ڈلی کو سویدائے دل کہیں۔

نہ پوچھ اسکی حقیقت حضور والا نے مجھے جو بھیجی ہے بیسن کی روغنی روٹی

نہ کھاتے گیہوں نکلتے نہ خلد سے باہر جو کھاتے حضرت آدم یہ بیسنی روٹی

حضور نے جو مجھے بیسن کی روغنی روٹی بھیجی ہے اسکے عزو افتخار کو نہ پوچھ اگر بجائے گیہوں کھانے کے حضرت آدم یہ بیسنی روٹی کھاتے تو بہشت سے باہر نہ نکالے جاتے۔

نہایت ہی خوب قطعہ کہا ہے۔

منظور ہے گزارش احوال واقعی اپنا بیان حسن طبیعت نہیں مجھے

مرزا جواں بخت جنکی ولیعہدی کے لئے بادشاہ خود کوشاں تھے اس موقعہ پر غالب مرحوم نے سہرا لکھکر نذر گزرانا جس کا مقطع یہ تھا۔

ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرفدار نہیں دیکھیں اس سہرے سے کہدے کوئی بڑھکر سہرا

مقطع نے بادشاہ کو شک میں ڈالدیا۔ سمجھے کہ غالب نے ذوق پر چوٹ کی ہے۔ شیخ ابراہیم ذوق کو سہرا دکھا کر دوسرا سہرا لکھوایا گیا۔ اور اس کے مقطع میں خصوصیت سے

مرزا کی طرف اشارا کیا ہے۔

جسکو دعوئے ہو سخن کا یہ سنا دو اسکو دیکھ اسطرح سے کہتے ہیں سخنور سہرا

مشہور ہوا تو مقطع پر غالب کی بھی نظر پڑی اور یہ قطعہ بطور معذرت کہکر بھیجا۔

کہ جو واقعہ ہے میں اسکا اظہار کرنا چاہتا ہوں اس سے میری یہ غرض نہیں ہے کہ اپنا حسن طبیعت اور سخنوری کے جوہر دکھانے مقصود ہوں۔

سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہ گری کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہیں مجھے

میرے باپ دادا ہمیشہ سے اہل سیف ہوئے ہیں مجھے شاعری سے کوئی عزت نہیں ملگئی ہے یا میں اسکو ذریعہ عزت بنانا نہیں چاہتا۔

آزادرو ہوں اور مرا مسلک ہے صلح کل ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے

میں آزادرو ہوں اور آزادوں کو کبھی کسی سے عداوت نہیں ہوتی۔

کیا کم ہے یہ شرف کہ ظفر کا غلام ہوں مانا کہ جاہ و منصب و ثروت نہیں مجھے

یہ بزرگی اور یہ عزت میرے لئے کیا کم ہے کہ ظفر کا غلام ہوں جاہ و منصب ثروت نہیں ہے تو بلا سے نہو مجھے پروا نہیں ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دوسروں کو یہ سب باتیں حاصل تھیں

استاد شہ سے ہو مجھے پرخاش کا خیال یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے

بادشاہ کے استاد سے مجھے لڑائی کا خیال ہو۔ بھلا غلام بادشاہ ہو کر میری مجال ہو سکتی ہے۔

جام جہاں نما ہے شہنشاہ کا ضمیر سوگند اور گواہ کی حاجت نہیں مجھے

آپ کا دل خود ایک جام جہاں نما ہے مجھے اپنے دعوے پر کسی گواہ یا قسم کی ضرورت نہیں ہے جیسا میں ہوں آپ کو معلوم ہے

میں کون اور ریختہ ہاں اس سے مدعا
جز انبساط خاطر حضرت نہیں مجھے

کہاں میں اور کہاں اردو کی شاعری میری تو اس سے محض اتنی غرض ہے کہ حضور کی خوشی کرتا رہوں ورنہ میں تو ایک فارسی گو شاعر ہوں۔

سہرا لکھا گیا زرہ امتثال امر
دیکھا کہ چارہ غیر اطاعت نہیں مجھے

محض حضور کے حکم سے یہ سہرا لکھکر تعمیل فرمائش کی گئی ہے۔

مقطع میں آپڑی ہے سخن گسترانہ بات
مقصود اس سے قطع محبت نہیں مجھے

مقطع میں محض ایک شاعرانہ تعلی اور دعوے ہے اس مقطع سے قطع محبت میری غرض نہیں ہے۔

روئے سخن کسی کی طرف ہو تو رو سیاہ
سودا نہیں جنوں نہیں وحشت نہیں مجھے

اگر میں نے کسی پر چوٹ کی ہو تو خدا میرا دین دنیا میں منھ کالا کرے اور میں کیوں ایسا کرتا کوئی میں سودائی ہوں مجھے جنون ہے وحشت ہے۔ کیا ہے۔

قسمت بری سہی پہ طبیعت بری نہیں
ہے شکر کی جگہ کہ شکایت نہیں مجھے

میری تقدیر بری ہے مگر میری طبیعت کسی سے بری نہیں ہے اور اسکا شکر ہے کہ مجھے کسی سے اسکی شکایت نہیں ہے مصنف نے جن الفاظ سے معذرت کی ہے انکی تعریف نہیں ہو سکتی تمام الفاظ سے خودداری کا پہلو نکلتا ہے شعر سے ظاہر ہے کہ کہنے والا بدرجہ مجبوری یہ سب کچھ کہہ رہا ہے ورنہ وہ دوسروں سے خود کو اچھا نہیں تو کم نہیں سمجھتا۔

صادق ہوں اپنے قول میں غالب خدا گواہ
کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

غالب میں اپنے قول میں سچا ہوں خدا میرا گواہ ہے اور یہ بات میں سچ کہہ رہا ہوں کیونکہ مجھے جھوٹ بولنے کی عادت ہی نہیں ہے۔

یا یہ کہ میں سچ کہتا ہوں کیوں کہ مجھے جھوٹ کی عادت نہیں۔

خوش ہوا اے بخت کہ ہے آج ترے سر سہرا
باندھ شہزادہ جواں بخت کے سر پہ سہرا

اے نصیب تجھے خوش ہونا چاہیے کہ آج تیرے سر سہرا ہے کیونکہ تو شہزادہ جواں بخت کے سر پر سہرا باندھ رہا ہے اگرچہ مصنف نے (سر سہرا) محاورہ استعمال کیا ہے مگر یہ کمی رہی کہ کس چیز کا سر سہرا ہے۔ ذوق مرحوم نے اس محاورہ کو پورا پورا نظم کیا پھر بھی ایجاد کا غالب کے سر سہرا ہے کیونکہ ایک موجد اور مقلد میں جو فرق ہے اسے سب جانتے ہیں۔ ذوق۔

اے جواں بخت مبارک تجھے سر پہ سہرا
آج ہے یمن وسعادت کا ترے سر سہرا

کیا ہی اس چاند سی مکھڑے پہ بھلا لگتا ہے
ہے ترے حسن دل افروز کا زیور سہرا

اس چاند سے مکھڑے پر یہ سہرا کیا اچھا معلوم ہوتا ہے گویا حسن دل فروز کے لئے سہرے نے زیور کا کام دیا اور سونے میں سہاگہ ہو گیا۔ زیور کا قافیہ غالب کا حصہ ہے ذوق مرحوم نے سہرے میں زیور کا قافیہ نہیں کہا مگر اسی مضمون کے کئی شعر کہے ہیں اور خوب کہے ہیں۔

وہ کہے صل علے یہ کہے سبحان اللہ
دیکھے مکھڑے پہ جو تیرے مہ اختر سہرا

سر پہ طرہ ہے مزین تو گلے میں بدّ ہی
کنگنا ہاتھ میں زیبا ہے تو سر پہ سہرا

سر پہ چڑھنا تجھے پھبتا ہے پر اے طرف کلاہ
مجھکو ڈر ہے کہ نہ چھینے ترا لمبر سہرا

یعنی اے طرف کلاہ یہ تیرے لئے زیبا ہے کہ تو سر پر چڑھے مگر ڈر یہ ہے کہ سہرا تیری جگہ نہ لے لے یہ قافیہ بھی ذوق نے نہیں کہا۔

ناؤ بھر کر ہی پروئے گئے ہونگے موتی
ورنہ کیوں لائے ہیں کشتی میں لگا کر سہرا

دوسرا مصرعہ دلیل ہے پہلے دعوے کی ذوق نے بھی یہی مضمون اسطرح لکھا ہے

آج وہ دن ہے کہ لائے در انجم سے فلک
کشتی زر میں مہ نو کی لگا کر سہرا

یہ شعر غالب کے شعر سے یقیناً بڑھا ہوا ہے۔

228

رخ پہ دولہا کے جو گرمی سے پسینہ ٹپکا
ہے رگ ابر گہر بار سراسر سہرا

دولہا کے رخ پر جو گرمی کی وجہ سے پسینہ ٹپک رہا ہے تو اسکے قطرے ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ موتی ہیں اس صورت میں سہرا ابر گہر بار بن گیا ہے ذوق مرحوم لکھتے ہیں ۔

روئے فرخ پہ جو ہیں تیرے برستے انوار
تار بارش سے بنا ایک سراسر سہرا

یہ بھی اک بے ادبی تھی کہ قبا سے بڑھ جائے
رہ گیا آن کے دامن کے برابر سہرا

یہ ایک بے ادبی تھی کہ قبا سے آگے بڑھ جائے سہرا سواسطے قبا کی برابر آکر رہ گیا آگے نہ بڑھا غالب نے یہ قافیہ بیمثل کہا ہے + ذوق کے یہاں یہ قافیہ نہیں ۔

جی میں اترائیں نہ موتی کہ ہمیں ہیں اک چیز
چاہیے پھولوں کا بھی ایک مقرر سہرا

موتیوں کو اس بات پر اترانا نہ چاہیے کہ بس جو کچھ ہیں ہمیں ہیں نہیں بلکہ پھولوں کے سہرے کی بھی ضرورت ہے ذوق مرحوم

٥ پھرتی خوشبو سے ہے اترائی ہوئی باد بہار
اللہ اللہ رے پھولوں کا معطر سہرا

جبکہ اپنے میں سماویں نہ خوشی کے مارے
گوندھے پھولوں کا بھلا پھر کوئی کیونکر سہرا

پھول خوشی کی وجہ سے پھولے نہیں سماتے پھر کوئی انکا سہرا کسطرح گوندھے ذوق

دھوم ہے گلشن آفاق میں اس سہرے کی
گاویں مرغان نوا سنج نہ کیونکر سہرا

رخ روشن کی دمک گوہر غلطاں کی چمک
کیوں نہ دکھلائے فروغ مہ و اختر سہرا

ادہر رخ روشن چمک رہا ہے اور ادہر گوہر غلطاں پھر بھلا سہرے میں فروغ ماہ و اختر کیوں نہ پیدا ہو ۔

٥ وہ کہے صل علی یہ کہے سبحان اللہ
دیکھے مکھڑے پہ جو تیرے مہ و اختر سہرا

تار ریشم کا نہیں ہے یہ رگ ابر بہار
لائے گا تاب گرانباری گوہر سہرا

یہ ریشم کا تار نہیں ہے کہ گرانباری گوہر کی تاب ہی نہ لا سکے یہ رگ ابر بہار ہے اسکو سنبھال سکتا ہے ذوق کے یہاں تار کے دو شعر ہیں ۔

کثرت تار نظر سے ہیں تماشائیوں کے
دم نظارہ ترے روئے نکو پر سہرا

اور ایک وہ تار بارش والا شعر جو گذر چکا ۔

ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرفدار نہیں
دیکھیں اس سہرے سے کہدے کوئی بڑھکر سہرا

ہم غالب کے طرفدار نہیں ہیں سخن فہم ہیں دیکھیں الخ یعنی یہ سہرا لاجواب ہے ۔

٥ جسکو دعویٰ ہو سخن کا یہ سنا دو اسکو
دیکھ اسطرح سے کہتے ہیں سخنور سہرا

دُرِ خوشاب مضامیں سے بنا کر لایا
واسطے تیرے ترا ذوق ثنا گر سہرا

اسمیں شاید ذوق مرحوم کا سہرا پورا نہیں لکھا جا سکا ۔

نصرۃ الملک بہادر مجھے بتلا کہ مجھے
تجھسے جو اتنی ارادت ہے تو کس بات سے ہے

یعنی مجھے آپ سے جو اتنی عقیدت ہے وہ کیوں ہے اور ایسی آپ میں کیا بات ہے ۔

گرچہ تو وہ ہے کہ ہنگامہ اگر گرم کرے
رونق بزم مہ و مہر تری ذات سے ہے

یعنی تو ایسا ہے کہ اگر رونق بخشنی چاہے تو ماہ و مہر کی بزم کی تیری ذات سے رونق ہے ۔

اور میں وہ ہوں کہ گر جی میں کبھی غور کروں
غیر کیا خود مجھے نفرت مری اوقات سے ہے

اور برعکس اسکے میں ایسا ہوں کہ اگر خود پر غور کروں تو مجھے خود سے خود نفرت ہو جاتی ہے یا ہو جائے اپنی اوقات سے نفرت ہونا تفضیح ہے ۔ اور میری اوقات سے مجھے نفرت ہونا غلط نہیں ہے ۔

خستگی کا ہو بھلا جسکے سبب سے سر دست
نسبت اک گونہ مرے دلکو ترے ہات سے ہے

چونکہ میں خستہ ہوں اور تو کریم ہے لہذا خدا خستگی کا بھلا کرے کہ مجھے اور تجھے

229

کیا نسبت ہے مگر تیرے دست کرم سے توسن دولت کی باگ ہمیشہ تیرے ہاتھ میں رہے ... کیا نسبت ہے مگر تیرے دست کرم سے تو صرف میرا تعلق ہے۔

ہات میں تیری رہے توسن دولت کی عنان　　یہ دعا شام و سحر قاضی حاجات سے ہے

خدا کرے توسن دولت کی باگ ہمیشہ تیرے ہاتھ میں رہے۔ بس رات دن یہ دعا مانگتا ہوں

اگرچہ ہاتھ کا بغیرہ "ہے" کی بھی قافیہ بات وغیرہ سے کیا گیا ہے مگر اچھا نہیں ہے۔

تو سکندر ہے مرا فخر ہے ملنا تیرا　　گو شرف خضر کی بھی مجھکو ملاقات سے ہے

تو سکندر ہے اور میرا تجھسے ملنے میں فخر ہے اگرچہ خضر کی ملاقات سے بھی مجھکو شرف ہے

خضر سلطان بہادر شاہ مغفور کے فرزند کا نام ہے جو غالب سے حسن عقیدت رکھتے تھے ایک جگہ

کہہ چکے ہیں۔

ف　خضر سلطان کو رکھے خالق اکبر سرسبز　　شاہ کے باغ میں یہ تازہ نہال اچھا ہے

یہاں ایہام ہے۔

اسپہ گذرے نہ گمان ریو و ریا کار زنہار　　غالب خاک نشین اہل خرابات سے ہے

تاکہ اسپر کوئی مکاری اور ریاکاری کا الزام نہ لگا سکے اسی لئے غالب نے خرابات نشینی اختیار کر لی ہے

ہے چارشنبہ آخر ماہ صفر چلو　　رکھدیں چمن میں بھر کے مئے مشکبو کی ناند

ممکن ہے کہ محرم کی عظمت و حرمت کیوجہ سے آخر ماہ صفر تک جناب مصنف شغل بادہ نوشی

سے اجتناب کرتے ہوں۔ اور اسلئے جوش سے کہا ہوگا چارشنبہ کو صفر کا مہینہ ختم ہو جائے گا

چلو باغ میں شراب کی ناند بھر کر رکھدیں۔

جو آئے جام بھر کے پئے اور ہو کے مست　　سبزہ کو روندتا پھرے پھولوں کو جائے پھاند

جو کوئی آئے وہ پیکر بدمست ہو کر گلگشت کرتا پھرے۔

غالب یہ کیا بیاں ہے بجز مدح بادشاہ　　بھاتی نہیں ہے اب مجھے کوئی نوشت خواند

غالب یہ کیا خرافات لکھ رہا ہے مجھے اب سوائے بادشاہ کی تعریف کے کوئی بات اچھی نہیں

معلوم ہوتی۔

بٹتے ہیں سونے روپے کے چھلّے حضور میں　　ہے جنکے آگے سیم و زر و مہر و ماہ ماند

بادشاہ کے یہاں سونے کے چھلّے بٹتے ہیں جنکے آگے چاند سورج وغیرہ ماند ہیں۔

یوں سمجھئے کہ بیچ سے خالی کئے ہوئے　　لاکھوں ہی آفتاب ہیں اور بیشمار چاند

یہ خیال کر لیجئے کہ یہ چھلّے نہیں ہیں بلکہ چاند اور سورج درمیاں سے خالی کر دئے ہیں اور

تقسیم ہو رہے ہیں سمجھئے ایک جگہ اور کبھی بہ سکون میم لکھا ہے۔ یہ اگرچہ بفتح میم محاورۂ عوام میں

داخل ہے مگر بسکون بھی غلط نہیں ہو سکتا۔ اور مصنف کا لکھ دینا ہی سند ہے اسکے علاوہ

اس مصدر کے بہت سے صیغے بسکون میم ہیں۔

اے شاہ جہانگیر جہان بخش جہاندار　　ہے غیب سے ہر دم تجھے صد گونہ بشارت

اے بادشاہ جہانگیر۔ اور کریم منتظم تجھے غیب سے سو طرح کی بشارت ہیں۔ مراد ہے امداد سے

جو عقدۂ دشوار کہ کوشش سے نہ وا ہو　　تو وا کرے اس عقدے کو سو بھی باشارت

جو عقدۂ دشوار کسی طرح نہ کھلے تو اسکو اپنے اشارے سے کھول دیتا ہے۔

ممکن ہے کرے خضر سکندر سے ترا ذکر　　گر لب کو نہ دے چشمۂ حیوان سے طہارت

یعنی بغیر آب حیواں سے کلّی کیے ہوئے خضر سوئے ادب سمجھکر تیرا نام نہیں لیتا۔

آصف کو سلیماں کی وزارت سے شرف تھا　　ہے فخر سلیمان جو کرے تیری وزارت

آصف بن برخیا کو فخر تھا کہ میں سلیماں کا وزیر ہوں یعنی وزارت سلیماں باعث فخر تھی

مگر یہاں جو تیرا وزیر ہے وہ فخر سلیماں ہے۔ یہ بھی پہلو نکلتا ہے کہ اگر سلیمان تیری وزارت کریں

تو ان کے لئے یہ باعث فخر ثابت ہو۔

ہے نقش مریدی ترا فرمان الٰہی ہے داغ غلامی ترا توقیع امارت

تجھسے ارادت رکھنا گویا فرمانبرداری خدائے عزوجل ہے۔ کیونکہ اللہ کا حکم ہے کہ اللہ کی اطاعت کرو اور اُسکے رسول کی اطاعت کرو اور جو تم میں سے حاکم ہو اسکی فرمانبرداری کرو۔ تیرا داغ غلامی امارت کا فرمان ہے۔ گویا جو تیرا غلام ہے وہ امیر الامرا ہے۔

تو آب سے گر دفع کرے طاقت سیلان تو آگ سے گر دفع کرے تاب شرارت

ڈھونڈے نہ ملے موجۂ دریا میں روانی باقی نہ رہے آتش سوزاں میں حرارت

اگر تو پانی سے طاقت سیلاں اور آگ سے حرارت دفع کر دے تو پانی میں روانی اور آگ میں گرمی کا نام بھی باقی نہ رہے۔ دیکھئے سیلان کا نون اگر اعلان نہ کریں تو برا معلوم ہوتا ہے۔

ہے گرچہ مجھے نکتہ سرائی میں توغل ہے گرچہ مجھے سحر طرازی میں مہارت

اگرچہ میں مدح گستری اور شاعری میں کامل ہوں۔

کیونکر نہ کروں مدح کو میں ختم دعا پر قاصر ہے شکایت میں تری میری عبارت

اگرچہ میرا کچھ شکایت کا ارادہ تھا مگر عبارت تیری شکایت میں لکھی نہیں جاتی لہذا مدح کو دعا ہی پر ختم کرتا ہوں۔

نوروز ہے آج اور وہ دن ہے کہ ہوئے ہیں نظارگی صنعت حق اہل بصارت

آج نوروز کا دن ہے اور اسکی چہل دیکھنے سے خدا کی قدرت نظر آتی ہے اور دیکھنے والے دیکھ رہے ہیں۔

تجھکو شرف مہر جہانتاب مبارک غالب کو ترے عتبۂ عالی کی زیارت

تجھکو شرف آفتاب (یعنی آفتاب کا برج حمل میں جانا) جس کا اثر خوشی و خرمی ہے مبارک ہو

اور غالب کو تیری خدمت میں حاضری مبارک ہو دوسرے شرف مہر جہانتاب سے یہ بھی معنی لئے جاسکتے ہیں کہ مثل آفتاب شرف مبارک ہو۔

افطار صوم کی کچھ اگر دستگاہ ہو اُس شخص کو ضرور ہے روزہ رکھا کرے

جس پاس روزہ کھول کے کھانیکو کچھ نہ ہو روزہ اگر نہ کھائے تو ناچار کیا کرے

اگر کسی شخص کو افطار کی دست قدرت ہو تو اُسکے لئے یہ ضرور ہے کہ وہ روزہ رکھے مگر جس کسی کے پاس روزہ کھول سکے کچھ کھانے کے لئے نہو ایسا آدمی اگر روزہ نہ کھائے تو ناچار اور کیا کرے۔

بالکل اسی مضمون کی رباعی فارسی میں آتشکدہ آذر میں میں نے دیکھی تھی نہ جانے کسکی تھی صرف ایک مصرع یاد رہگیا ہے + اے روزہ بروور نہ ترا خواہم خورد

اے شہنشاہ آسماں اورنگ اے جہاندار آفتاب آثار

اے وہ بادشاہ کہ تیرا تخت مثل آسمان کے ہے اور تیری حکومت تمام عالم پر مثل آفتاب کے ہے اس شعر میں صنعت براعت الاستہلال مصنف نے مدنظر رکھی ہے۔ براعت الاستہلال اُسکو کہتے ہیں کہ جو کچھ کتاب یا قصیدہ وغیرہ میں مضمون لکھنا ہو وہ پہلے ہی مصرع یا فقرہ میں ادا کر دیا جائے چونکہ یہیں موسم سرما کی شکایت ہے لہذا پہلے ہی سے آفتاب لائے۔

تھا میں اک بے نوائے گوشہ نشیں تھا میں اک دردمند سینہ فگار

میں ایک غریب گمنام گوشہ نشین اور دردمند غم والم ایام سے دل فگار تھا۔

تم نے مجھکو جو آبرو بخشی ہوئی میری وہ گرمی بازار

آپنے ازراہ ذرہ نوازی مجھکو جو آبرو بخشی تو مجھے وہ فیض حاصل ہوا میری وہ گرم بازاری ہوگئی۔

کہ ہوا مجھ سا ذرۂ ناچیز — روشناسِ ثوابت و سیار

کہ مجھے ذرۂ ناچیز کو ہر کوئی پہچاننے اور جاننے لگا۔

گرچہ از روئے ننگ بے ہنری — ہوں خود اپنی نظر میں اتنا خوار

اگرچہ بے ہنری کی شرم سے میں اپنی نظر میں آپ اتنا ذلیل ہوں۔

کہ گر اپنے کو میں کہوں خاکی — جانتا ہوں کہ آئے خاک کو عار

کہ اگر خود کو خاکی نژاد کہوں تو خاک کو بھی عار و ننگ آئے۔

شاد ہوں لیکن اپنے جی میں کہ ہوں — بادشہ کا غلام کار گزار

مگر پھر بھی میں اپنے دل میں اس پر خوش ہوں کہ حضور کا ایک کارگزار غلام ہوں۔ اور یہ میرے منصب ہیں۔

خانہ زاد اور مرید اور مداح — تھا ہمیشہ سے یہ عریضہ نگار

میں غلام خانہ زاد ہوں حضور سے ارادت رکھتا ہوں حضور کا مداح ہوں۔ ہمیشہ عرائض نویسی میرے متعلق رہی۔

بارے نوکر بھی ہو گیا صد شکر — نسبتیں ہو گئیں مشخص چار

اسکے بعد میں نوکر بھی ہو گیا اور حضور سے چار نسبتیں ہو گئیں۔

پیر و مرشد اگرچہ مجھ کو نہیں — ذوقِ آرائشِ سر و دستار

پیر و مرشد اگرچہ مجھے یہ شوق نہیں ہے کہ میں اپنے سر کو دستار سے آرائش دوں مگر۔

کچھ تو جاڑے میں چاہیے آخر — تا نہ دے بادِ زمہریر آزار

مگر پھر بھی موسم سرما کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا سے بچنے کی کوئی تدبیر تو چاہیئے۔

کیوں نہ درکار ہو مجھے پوشش — جسم رکھتا ہوں ہے اگرچہ نزار

مجھے لباس کی ضرورت کیوں نہ پڑے اگرچہ میرا جسم نحیف ہے مگر پھر بھی جسم تو ہے۔

کچھ خریدا نہیں ہے اب کے سال — کچھ بنایا نہیں ہے اب کے بار

میں نے اس سال میں کچھ نہیں بنایا۔ یعنی لباس سرمائی۔

رات کو آگ اور دن کو دھوپ — بھاڑ میں جائیں ایسے لیل و نہار

رات کو آگ تاپ کر اور دن کو دھوپ کھا کر گذارہ کرتا ہوں ایسے لیل و نہار بھاڑ میں جائیں

آگ تاپے کہاں تلک انسان — دھوپ کھاوے کہاں تلک جاندار

بھلا آگ تاپ کر اور دھوپ کھا کر کبتک گذر ہو سکتی ہے اور آدمی کبتک ایسا کر سکتا ہے

دھوپ کی تابش آگ کی گرمی — وقنا ربنا عذاب النار

دھوپ کی تیزی اور آگ کی گرمی سے بس خدا بچائے۔ اس آیت نے حسن کلام اتنا بڑھا دیا ہے کہ جواب نہیں ہے۔

میری تنخواہ جو مقرر ہے — اُسکے ملنے کا ہے عجب ہنجار

یہ نہیں ہے کہ حضور سے میری تنخواہ مقرر نہیں ہے نہیں ہے تو سہی مگر اس کے ملنے کا عجب طریقہ ہے۔

رسم ہے مردہ کی چھماہی ایک — خلق کا ہے اسی چلن پہ مدار

ایک مردہ کی چھ ماہی ہے کہ دنیا کا اسی پر دار و مدار ہے۔ یعنی چھ ماہ میں ہوتی ہے۔

مجھکو دیکھو کہ ہوں بقید حیات　　اور چھ ماہی ہو سال میں دو بار

مجھکو دیکھئے تو زندہ ہوں اور چھ ماہی سال میں دو دفعہ ہوتی ہے۔ یعنی میں زندہ اور حالت مُردوں کی سی ہے۔

بسکہ لیتا ہوں ہر مہینہ قرض　　اور رہتی ہے سود کی تکرار

چونکہ اسی وجہ سے ہر مہینہ قرض لیتا ہوں اور سود در سود بڑھتا رہتا ہے۔

میری تنخواہ میں تہائی کا　　ہو گیا ہے شریک ساہوکار

اسی سبب سے میری تہائی تنخواہ کا مالک ساہوکار ہو جاتا ہے یعنی تہائی تنخواہ سود میں چلی جاتی ہے۔

آج مجھ سا نہیں زمانہ میں　　شاعر نغز گوئے خوش گفتار

آج مجھ سا شاعر معنی آفریں اور جدت پسند دنیا میں نہیں ہے۔

رزم کی داستان اگر سنئے　　ہے زباں میری تیغ جوہردار

اگر لڑائی کی داستان مجھ سے سنئے تو میری زبان تیغ جوہردار کا کام کرتی ہے لے

بزم کا التزام گر کیجئے　　ہے قلم میری ابر گوہر بار

اور اگر بزم کی داستان مجھ سے لکھوائیے تو میرا قلم ابر گوہر بار بنکر انجمن آرائی کرتا ہے قلم کو مصنف تبذکیر و تانیث دونوں طرح جائز سمجھتے تھے۔ مگر اکثر کا مذہب تبذکیر لکھتا ہے۔

ظلم ہے گر نہ دو سخن کی داد　　قہر ہے گر کرو نہ مجھکو پیار

اس حالت پر اگر مجھے داد سخن نہ دیجائے تو ظلم ہے اور مجھکو عزیز نہ رکھا جائے تو ستم ہے

آپ کا بندہ اور پھروں ننگا　　آپ کا نوکر اور کھاؤں ادھار

اگر آپ غلام ہو کر ننگا پھروں اور آپ کا نوکر ہو کر قرض کھاؤں تو افسوس ہے یہ آپکے لئے بھی کسر شان کا باعث ہے۔

میری تنخواہ کیجے ماہ بہ ماہ　　تا نہ ہو مجھکو زندگی دشوار

اس ششماہی تنخواہ ملنے نے جینے سے بیزار کر دیا ہے لہذا میری تنخواہ ماہ بماہ ملنے کا حکم کیجئے کہ مجھے اپنی زندگی دشوار نہو جائے۔

ختم کرتا ہوں اس دعا پہ کلام　　شاعری سے نہیں مجھے سرو کار

مجھے شاعری سے کچھ مطلب نہیں یعنی شاعرانہ تصنع کو چھوڑ کر اس دعا پر اپنی عرض کو ختم کرتا ہوں۔

تم سلامت رہو ہزار برس　　ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

یعنی آپ کی عمر اقبال و دولت ابد تک قائم رہے۔

سیہ گلیم ہوں لازم ہے میرا نام نہ لے　　جہاں میں جو کوئی فتح و ظفر کا طالب ہے

میں تیرہ بخت ہوں جو شخص فتح و ظفر کی تمنا کرے اوسکو میرا نام نہ لینا چاہیئے۔

ہوا نہ غلبہ میسر کبھی کسی پہ مجھے　　کہ جو شریک ہے میرا شریک غالب ہے

کیونکہ میں وہ بد نصیب کم بخت ہوں کہ مجھے کبھی کسی پر غلبہ حاصل نہیں ہوا۔ میرا جو کوئی شریک ہوا وہ شریک غالب رہا۔ یعنی جب میرا شریک ہوا تو وہ شریک غالب ہوا اور شریک غالب وہ ہے کہ جسکا حصہ زیادہ ہو۔

سہل تھا مسہل ولی یہ سخت مشکل آپڑی
مجھ پہ کیا گذریگی اتنے روز حاضر بن ہوے

تین دن مسہل سے پہلے تین دن مسہل کے بعد
تین مسہل تین تبریدیں یہ سب کے دن ہوے

یعنی مسہل لینا تو سہل تھا مگر یہ بڑی دشواری ہے اتنے روز میں کیونکر حاضر نہوں گا۔ کیونکہ تین روز منضج کے تین مسہل کے تین تبریدوں کے اور تین دن مسہل سے بعد کے یہ سب بارہ روز ہیں۔ بارہ روز کی رخصت طلب کی ہے۔

خجستہ انجمن طوئے میرزا جعفر
کہ جسکے دیکھے سے سبکا ہوا ہے جی محظوظ

انجمن شادیٔ میرزا کیا مبارک ہے کہ جسکے دیکھنے سے سب کو ایک لطف آیا ہے۔

ہوئی ہے ایسی ہی فرخندہ سال میں غالب
نہ کیوں ہو مادۂ سال عیسوی محظوظ

ایسے ہی مبارک سال میں یہ شادی ہوئی ہے لہذا مادۂ سال عیسوی محظوظ نکلا ہے جس سے سنہ ۱۸۵۴ء نکلتے نہیں۔

ہوئی جب میرزا جعفر کی شادی
ہوا بزم طرب میں رقص ناہید

جب مرزا جعفر کی شادی ہوئی تو بزم میں رقاصۂ فلک یعنی زہرہ کا ناچ ہوا یہ مبالغہ ہے۔

کہا غالب سے تاریخ اسکی کیا ہے
تو بولا انشراح جشن جمشید

غالب سے اسکی تاریخ لکھنے کی فرمایش کی تو انشراح جشن جمشید اسکی تاریخ نکالی سنہ ۱۲۷۰ھ نکلتے ہیں۔

گو ایک بادشاہ کے سب خانہ زاد ہیں
دربار دار لوگ بہم آشنا نہیں

اگرچہ سب کے سب ایک ہی بادشاہ کے نوکر ہیں مگر آپس میں ایک دوسرے کو

جانتے بھی نہیں۔

کانوں پہ ہاتھ دھرتے ہیں کرتے ہوے سلام
اس سے ہے یہ مراد کہ ہم آشنا نہیں

بادشاہوں کے سامنے رخسار و نیز ہاتھ لیجا کر کان تک لیجاتے اور دوسرے شخص کو ایسے سلام کرتے ہیں۔ گویا اس سے سلام کرنا مقصود نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ ہم نہیں جانتے کیونکہ جب کسی واقعہ سے لاعلمی کا اظہار کرتے ہیں تو کانو نپر ہاتھ رکھتے ہیں۔

رباعیات

بعد از اتمام بزم عید اطفال
ایام جوانی رہے ساغر کش حال

آپہونچے ہیں تا سواد اقلیم عدم
اے عمر گذشتہ اک قدم استقبال

یعنی بچپن کا زمانہ گزرنیکے بعد جوانی آئی اور اب مرنے کے دن قریب آئے۔ جوانی میں سبزہ آغازی وغیرہ کیوجہ سے اُسے سواد اقلیم عدم کہا گیا۔ یعنی اس صورت میں سواد اقلیم عدم میں آگئے اے عمر گذشتہ تو عدم میں ہے اب تو ایک قدم ہمارے استقبال کیلئے چلی آ۔

شب زلف و رخ عرق فشاں کا غم تھا
کیا شرح کروں کہ طرفہ تر عالم تھا

رویا میں ہزار آنکھ سے صبح تلک
ہر قطرۂ اشک دیدۂ پر نم تھا

رات کو مجھے اوسکی زلف اور اُسکے رخ عرق فشاں کا غم تھا اور اُس حالت کو بیان نہیں کرسکتا کچھ عجیب میری کیفیت تھی۔ ہزار آنکھ سے اسی خیال میں صبح تک روتا رہا۔ اور زلف و رخ کے خیال کیوجہ سے سیاہی اور سپیدی ملکر میرا ہر قطرۂ اشک چشم پر نم بن گیا تھا خوب رباعی کہی ہے۔

آتشبازی ہی جیسے شغل اطفال | ہی سوز جگر کا بھی اسیطور سے حال
تھا موجد عشق بھی قیامت کوئی | لڑکوں کے لیئے گیا ہی کیا کھیل نکال

جیسے آتشبازی کا تماشہ ہوتا ہے ایسے ہی سوز دل کا حال ہی موجد عشق عجب آدمی تھا ان کمسن معشوقوں کے لیئے کیا کھیل نکال گیا ہے یعنی یہ لوگ اس کو آتشبازی کا کھیل سمجھتے ہیں۔

دل تھا کہ جو جان درد تمہید سہی | بیتابی رشک و حسرت دید سہی
ہم اور فسردن اے تجلی افسوس | تکرار روا نہین تو تجدید سہی

پہلے ہم جان و دل رکھتے تھے اُسوقت درد بیتابی رشک حسرت دید سبھی کو برداشت کیا مگر اب ہم چونکہ ہمارے پاس جان و دل نہیں ہیں فسردہ ہوگئے ہیں۔ اے تجلی حسن افسوس تو ہماری اس فسردگی کو دیکھتی ہے۔ ہم مکرر اسی سوز و گداز کی تمنا کرتے ہیں مگر تو تکرار کو پسند نہیں کرتی تو پھر ہم میں جان و دل پیدا کر اور نئے سر سے ہمیں پھونک دے جان درد تمہید یعنی جس جان کی تمہید درد سے ہوئی تھی۔ اس ترکیب نے رباعی کو مشکل بنادیا ہے۔

ہی خلق حسد قماش لڑنے کے لیئے | وحشت کدہ تلاش لڑنے کے لیئے
یعنی ہر بار صورت باد | ملتے ہین یہ بد معاش لڑنے کے لیے

تمام خلق حسد قماش ہے یعنی آلودہ حسد ہی اور لڑنے کے لیئے تیار رہتے اور وحشت کدہ کی اس لڑائی کے تلاش ہی گویا یہ پتنگ ہیں جب ملتے ہیں تو لڑنے ہی کے لیئے ملتے ہین

دل سخت نژند ہوگیا ہی گویا | اُس سے گلہ مند ہوگیا ہی گویا
پر یار کے آگے بول سکتے ہی نہیں | غالب منھ بند ہوگیا ہی گویا

میرا دل سخت رنجیدہ ہوگیا ہے اور گویا یہ اُس سے گلہ مند ہے مگر پھر بھی ہم اُسکے سامنے کچھ کہہ نہیں سکتے۔ گویا اُسکے سامنے مُنھ بند ہوگیا ہے۔

دکھ جی کے پسند ہوگیا ہی غالب | دل رُک رُک کر بند ہوگیا ہے غالب
واللہ کہ شب کو نیند آتی ہی نہیں | سونا سوگند ہوگیا ہے غالب

غالب دکھ میرے دلکو پسند ہوگیا ہی اور یہ اتنا گرفتہ ہوگیا ہی کہ گویا بند ہوگیا ہی یعنی عاجز ہوگیا ہی۔ رات کو نیند نہیں آتی گویا نیند قسم ہوگئی ہے۔
رباعی کا دوسرا مصرعہ اکثر نسخوں میں رُک رُک کر بند ہوگیا الخ پایا جاتا ہے اور اس صورت میں دو رکن بڑھتے ہیں مگر غالب کی نسبت غیر موزوں کہنے کی جرأت نہیں ہوتی اور ہم اسکو سہو کاتب سمجھکر مصرع کو صحیح لکھنے کی جرأت کر گئے ہیں۔

مشکل ہی زبس کلام میرا اے دل | سُن سُن کے اُسے سخنوران کامل
آسان کہنے کی کرتے ہیں فرمایش | گویم مشکل و گر نہ گویم مشکل

چونکہ میرا کلام دقیق اور مشکل ہی اسی واسطے سخن وران کامل مجھسے سہل لکھنے کی فرمایش کرتے ہیں مگر میں اُنسے کیا کہوں چوتھے مصرع کے کئی معنے ہیں ایک یہ ہی کہ اگر میں مشکل شعر کہتا ہوں تو تو وہ مشکل ہے ہی اور اگر آسان بھی کہتا ہوں تو وہ بھی مشکل ہے۔
دوسرے یہ کہ اپنا طریقہ بدل دوں تو مشکل نہ لکھوں تو مشکل۔ یا اُن لوگوں کو اسکا کوئی جواب دوں تو مصیبت نہ دوں تو مصیبت غرض۔
ع دوگونہ رنج و عذاب است جان مجنوں را | بلائے فرقت لیلیٰ و صحبت لیلیٰ۔

بھیجی ہی جو مجھکو شاہ جمجاہ نے دال | ہی لطف و عنایات شہنشاہ پہ دال
یہ شاہ پسند دال بے بحث و جدل | ہی دولت و دین و دانش و داد کی دال

مجھکو جو بادشاہ نے یہ دال بھیجی ہے یہ عنایات شاہنشاہی پر دلالت کرتی ہے۔ یہ شایان دال بلاشبہ دین ودانش داد ودولت کی دال ہے اور یہ چاروں چیزیں اچھی ہیں۔ اور بھی معانی لطیف اس سے پیدا ہوتے ہیں۔ یعنی بادشاہ نے ان سب سے کام لیکر مجھکو یہ بھیجی ہے مولانا نظم چوتھے مصرعہ کو بے معنی کہتے ہیں سبحان اللہ۔

ہیں شہ میں صفات ذوالجلالی باہم آثار جلالی وجمالی باہم
ہوں شاد نہ کیوں سافل وعالی باہم ہے اب کے شب قدر ودوالی باہم

ہمارے بادشاہ میں صفات جلال یعنی غضب وجمال یعنی رحم دونوں جمع ہیں۔ اس سے عالی اور سافل کیوں نہ خوش ہوں کہ دوالی اور شب قدر دونوں ملی جلی ہیں۔ واضح ہو کہ چونکہ مصنف نے جلالی اور جمالی کا ذکر پہلے کیا ہے اسیواسطے دوالی اور شب قدر اور سافل وعالی لائے ہیں۔ کیونکہ شب قدر میں وظائف علوی۔ اور دوالی میں سفلی منتر جنتر پڑھے جاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہمارا بادشاہ ہر فرقہ کے لئے اچھا ہے۔

حق شہ کی بقا سے خلق کو شاد کرے تا شاہ شیوع دانش وداد کرے
یہ دی جو گئی ہے رشتہ عمر میں گانٹھ ہے صفر کہ افزایش اعداد کرے

خدا بادشاہ کو قائم اور اُسکی بقا سے خلق کو آباد رکھے کہ اگر وہ ہونگے تو دانش وداد کرینگے یہ سالگرہ کے موقع پر جو رشتہ عمر میں گرہ دیگئی ہے گرہ نہیں ہے بلکہ صفر ہے کہ اعداد کو زیادہ کرتا ہے جیسے ایک کو ۱۰۔ دس کو سو۔ سو کو ہزار۔

اس رشتہ میں لاکھ تار ہوں بلکہ سوا اتنے ہی برس شمار ہوں بلکہ سوا
ہر سیکڑہ کو ایک گرہ فرض کریں ایسی گرہیں ہزار ہوں بلکہ سوا

یعنی رشتہ عمر میں لاکھ تار ہوں بلکہ اس سے کچھ زیادہ اور پھر اتنے ہی برس گنے جائیں

اور برس میں ہر صدی کے بعد گرہ دینا فرض کیا جائے اور ایسی گرہیں ہزار گرہیں ہوں بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ گویا بادشاہ خواجہ خضر کی عمر کو پہونچیں۔

کہتے ہیں کہ اب وہ مردم آزار نہیں عشاق کی پرسش سے اُسے عار نہیں
جو ہات کہ ظلم سے اٹھایا ہوگا کیونکر مانوں کہ اسمیں تلوار نہیں

لوگ کہتے ہیں کہ اب اُسنے مردم آزاری چھوڑ دی اور وہ عشاق پر رحم کرنے لگا مگر جو ظلم سے اُسنے ہاتھ روکا ہے اسمیں تلوار ہونا ضروری ہے کیونکہ ظلم کرنا ہاتھا تو اسمین تلوار ہوگی اور گو روک لیا ہے مگر اسمیں تلوار کا ہونا لازم ہے۔ مطلب یہ کہ اسکی ستم شعاری کی تصویر اب بھی نظر میں ہے۔

ہم گرچہ بنے سلام کرنے والے کرتے ہیں درنگ کام کرنے والے
کہتے ہیں کہیں خدا سے اللہ اللہ وہ آپ ہیں صبح وشام کرنے والے

ہم اگرچہ امیدواروں کی طرح سلام کرتے ہیں مگر جن لوگوں کے ہاتھ میں کام کرنا ہے یعنی جو کام کر سکتے ہیں وہ دیر کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ خدا سے دعا کرو اور خدا سے التجا کرو اللہ اللہ وہ گویا خدائی کرتے ہیں۔ کیونکہ صبح وشام کرنا خدا کا کام ہے۔ اور وہ بھی لیت ولعل میں صبح وشام کرتے ہیں۔ گویا یہ کہنے سے کہ خدا سے کہو اون کا کچھ اور ہی مقصد ہے

سامان خور وخواب کہاں سے لاؤں آرام کے اسباب کہاں سے لاؤں
روزہ مرا ایمان ہے غالب لیکن خسخانہ وبرفاب کہاں سے لاؤں

کھانے اور سونے اور آرام کے اسباب مجھے نہیں ملتے ورنہ روزہ کو فرض میں بھی سمجھتا ہوں اگر یہ سامان ملیں تو پھر عمل بھی کروں۔

ان سیم کے بیجوں کو کوئی کیا جانے بھیجے ہیں جو ارمغاں شہ والا نے

گن کر دیویں گے ہم دعائیں سو بار فیروزہ کی تسبیح کے ہیں یہ دانے

بادشاہ نے جو سیم کے بیج خاصہ میں مجھکو بھیجے ہیں ان کی حقیقت کو کوئی کیا جانے یہ فیروزہ کی تسبیح کے دانے ہیں کہ جسے ہم پڑھیں اور بادشاہ جم جاہ کو دعائیں دیں۔

دبیر الملک نجم الدولہ مرزا اسد اللہ خاں غالب

منصور فرقۂ علی اللہیاں منم
آوازۂ انا اسد اللہ برافگنم

سنہ ۱۷۹۶ء دنیا کے یادگار سنین میں سے ہے جسمیں کاشانۂ ادب اردو میں ایک ایسی شمع روشن ہوئی جسکے بجھ جانے پر بھی آج زمانہ میں ویسی ہی روشنی پھیلی ہوئی ہے جیسی اوسکی حیات تک تھی یعنی یہی وہ سن تھا جسمیں فخر اساتذہ متقدمین و متاخرین مرزا اسد اللہ غالب مرحوم نے عرصۂ ہستی میں قدم رکھا۔

مرزا مرحوم کا سلسلہ نسب افراسیاب بادشاہ توران سے ملتا ہے شاہ عالم کے عہد میں مرزا مرحوم کے دادا نے اپنے وطن مالوفہ کو ہمیشہ کے لیئے خیرباد کہکر دار السلطنت دہلی کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے عزت بخشی۔ اور عرصہ تک مسند عزت و اقبال پر جلوہ گر رہے آخر زمانہ نے وہ کروٹ بدلی کہ دلی دلی نہ رہی چند ہی روز میں نہ عزت دینے والے رہے نہ پانیوالے۔ مرزا مرحوم کے پدر بزرگوار عبد اللہ خاں نے بھی وطن عزیز کو چھوڑ کر نواب آصف الدولہ بہادر شاہ اودھ کے دربار میں لکھنؤ پہونچے مگر زمانہ برسر جنگ تھا یہاں بھی قدم نہ جمے نواب نظام علیخان بہادر حیدرابادی کی ملازمت کی۔ مگر وہی آسمان سر پر تھا یہاں کی زمین کا ذرہ ذرہ بھی دشمنی پر آمادہ ہو گیا آخر راجہ بختاور سنگہ والی الور کے یہاں پہونچے اور یہیں آکر لڑائی میں پیمانہ عمر لبریز ہو گیا۔

مرزا غالب اب ایک یتیم بچہ کی طرح اپنے چچا نصر اللہ بیگ صوبہ دار اکبرآباد کے ظل عاطفت میں پرورش پاتے رہے زمانہ کی دورنگی نے پھر ایک رنگ دکھایا مرزا کے سر سے یکایک چچا کا سایۂ عاطفت اٹھ گیا اسپر بھی اگرچہ دراثتاً مرزا کو سب کچھ ملا مگر انکی تقدیر میں تو

صرف ملک سخن کی حکومت تھی وہی ملی اور وہی کام آئی گو ظاہری دولت دنیا نہ تھی مگر پھر بھی خوشحال رہکر زندگی بسر کرنے لگے۔ مگر تنگ حالی نے چین سے نہ بیٹھنے دیا اسکے لئے جا بجا کے سفر کئے اور آخر کار دلی کو اپنا مامن و ماوا بنا کر یہیں آرہے مرزا دلی میں خوش و ناخوش گذران کر رہے تھے کہ یکایک زمانہ نے پھر غداری شروع کی اور مرزا کو رام پور کو جانا پڑا یہاں سو روپیہ تنخواہ اور سو روپیہ ضیافت کے طریقہ پر ملتے رہے مگر دلی ایسی چیز نہ تھی جسے مرزا اتنا سستا بیچدیتے پھر دلی آئے۔ اور آخر عمر میں تقدیر نے پلٹا کھایا تو پنشن سرکاری بھی جاری ہو گئی آخر سنہ ۱۸۶۹ء مطابق ۱۲۸۵ھ میں جہان فانی کو خیرباد کہا۔

مرزا غالب کی شاعری

مرزا کے شاعرانہ حالات یا انکی شاعری پر تنقید لکھنا کچھ معمولی بات نہیں ہے اور نہ اس مختصر خاکہ میں اوسکی گنجایش ہو سکتی ہے بقول فیضی۔

توحید تو نیست بر قلم جست
ایواں بہ بزرگی و ستوں شست

اسکے سوائے انکے کلام پر ملک کے صدہا موقر اور معزز لوگوں نے قلم اٹھائے ہیں میں کیا اور میری ناچیز رائے کیا۔

پھر بھی یہ لکھے بغیر مجھے چین نہیں آیا کہ غالب مرحوم کا کلام جس رنگ میں ڈوبا ہوا ہے اور اون کے کلام میں جو بات پائی جاتی ہے ہندوستان کے کسی دوسرے شاعر کے یہاں بہ مشکل بھی یہ باتیں نہیں مل سکتیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ غالب مرحوم کے یہاں صرف گرانقدر الفاظ ملتے ہیں باقی اور کچھ نہیں۔ یہ خیال اونھیں تک محدود ہے میرے خیال میں مرزا الفاظ و معانی کے بہترین اندازہ کرنے والوں میں سے ہیں وہ جیسے خیال کو پیش کرتے ہیں اسکے لئے ویسے ہی الفاظ بھی لاتے ہیں۔ وہ نہ صرف ادق خیال اور ادق الفاظ پر قادر ہیں بلکہ وہ زبان کے لئے بھی ویسے ہی سرمایہ ناز شاعر ہیں۔ اور اُن کی وہ غزلیں جنھیں سہل ممتنع کہا جا سکتا ہے آج اپنی نظیر آپ ہی ہیں۔

جدت خیال جسکو اکثر نے شاعری کی جان بتایا ہے گویا وہ خاص غالب کا حصہ ہے وہ اگرچہ ایسے مضمون بھی لکھتے ہیں جس تک عام اذہان کی رسائی محال ہے۔ مگر اکثر ایسے خیال بھی وہ پیش کرتے ہیں جو ہر شخص کے ذہن میں موجود ہیں مگر غالب نے اون کے طرز ادا کو دنیا سے علیحدہ کر دیا

اور اسی لحاظ سے کہا جا سکتا ہی کہ وہ خیال دنیا میں اور کہیں نہیں اگر ہیں تو غالب ہی کے یہاں ہیں
غالب نے اردو کی جن زمینوں میں غزلیں لکھی ہیں جن ردیف و قوافی کو اُنھوں نے انتخاب کیا ہے اسمیں بھی ایک خاص بات ہے۔ کوئی کہنے والا اگر اُن ہی زمینوں میں کچھ لکھے گا تو ہرگز ہرگز ناکام نہیں رہ سکتا بلکہ کچھ نہ کچھ ایسے مضمون اُسکے ہاتھ بھی آجائینگے جو دل خوش کن ثابت ہوں گے۔ غالب صرف غزل کے لئے ہی منتخب اور برگزیدہ نہیں ہیں بلکہ اون کے قصاید بھی اونکی شان کیموافق ہیں۔ میں یہاں فارسی کلام سے بحث نہیں کرتا اردو کے قصاید بھی اُنکے جس رنگ میں ہیں وہ اُن کا خاص حصہ ہیں۔
اگرچہ قصیدہ گوئی میں ذوق اور سودا منتخب اور برگزیدہ ہیں اور لوگ یہ کہینگے کہ جو اُن کے یہاں رنگ ہے وہ غالب کے یہاں نہیں مگر ہم یہ کہنے پر مجبور ہوں گا کہ جو غالب کے یہاں ہے وہ اُنکے یہاں نہیں۔ کاش مجھے وقت ملتا تو میں تنقید کر کے دکھاتا کہ غالب اور ذوق کے قصاید میں کیا فرق ہے مرزا غالب نثر کی حیثیت سے ایک طرز خاص کے موجد تھے جس کا جواب بمشکل مل سکتا ہے آج بھی بہت سے اُس رنگ پر چلتے ہیں مگر ٹھوکریں کہانے کے سواے اور کچھ نتیجہ نہیں ہوتا۔

مرزا کے حالات طبعی

مرزا ہنس مکھ خوش مزاج زندہ دل بذلہ سنج آدمی تھے اپنے شاگردوں سے ہمیشہ دوستانہ عنایات اور خلاق سے پیش آتے تھے۔ اُنکے خطوط دیکھکر خیال ہوتا ہی کہ وہ صابر نہ تھے مصیبت سے گھبرا جاتے تھے۔ مگر ایسا نہیں ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ جس شخص نے عیش و عشرت سے زندگی بسر کی ہوا سے ایک تنکا بھی مصیبت پہاڑ معلوم ہوتی ہی۔ اور وہ "حوران بہشتی را دوزخ بود اعراف" کی بمو جب گھبرا اُٹھتا ہے
مرزا اہل تشیع سے تھے مگر اُن کا تمام خاندان سنی المذہب تھا اور وہ کسی سے تعصب نہیں رکھتے تھے چونکہ غالب کے دوست اور عزیز سنی تھے لہذا کوئی اون کو مشکل سے یہ سمجھتا تھا کہ یہ شیعہ ہیں

مرزا غالب کی تصانیف

فارسی میں۔ مہر نیمروز تاریخ میں۔ قصاید حمد و نعت۔ پنج آہنگ انشا پردازان فارسی کے لیے دیوان فارسی۔ قاطع برہان۔ یادرفش کادیانی۔ نامہ غالب۔ دستنبو۔ سبد حسین ہیں اردو میں اردوے معلی یعنی مرزا کے خطوط۔ تیغ تیز۔ ساطع برہان کے چند آخری ورق لطائف غیبی جو سیف الحق کے نام سے چھپی ہے
مرزا غالب کے مشہور شاگرد منشی تفتہ۔ حالی۔ مجروح۔ ادیب۔ ذکی وغیرہ ہیں۔

معذرت۔ یہ کوئی مکمل سوانح عمری نہیں ہی بلکہ قارئین کیلئے غالب کے حالات کا ایک مختصر خاکہ ہے۔

تمام شد

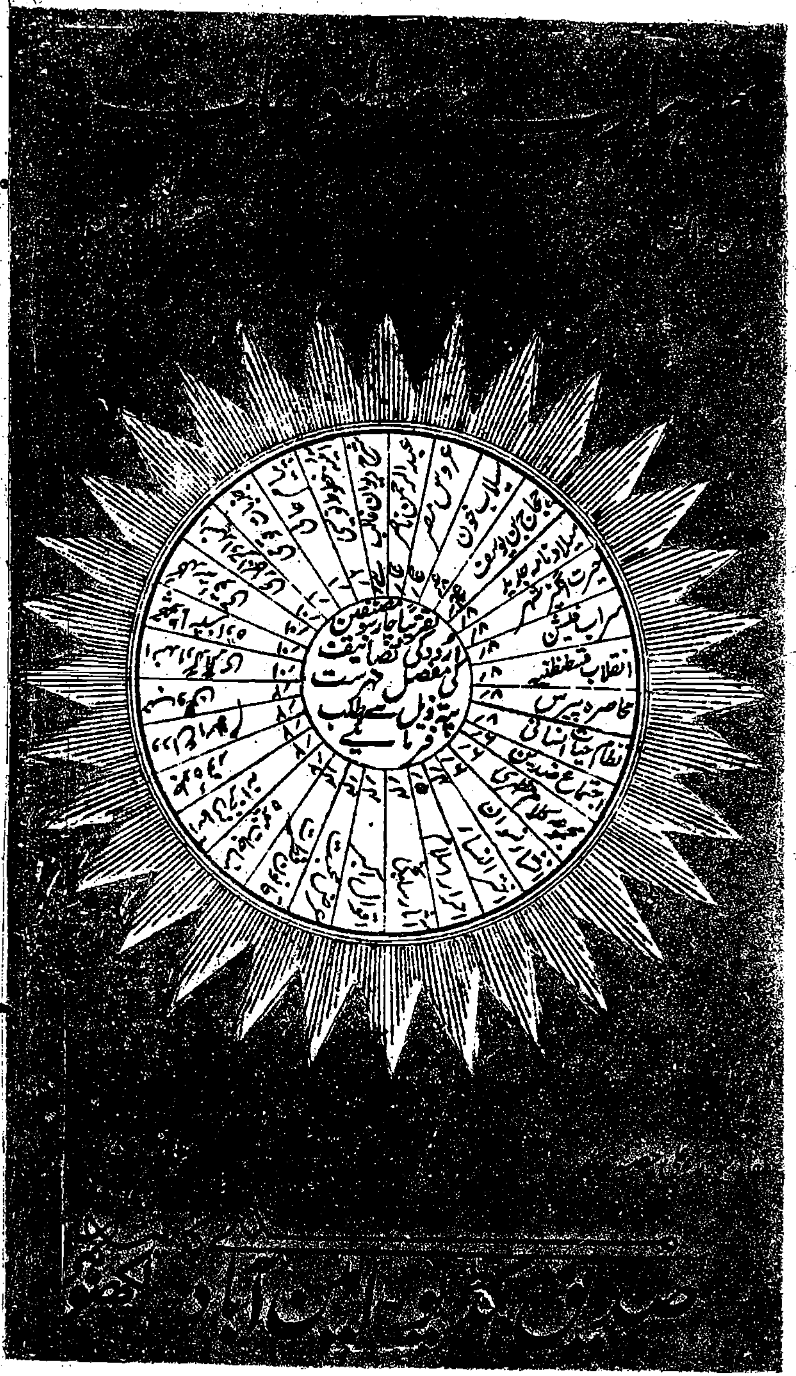
قریباً چار سو مصنفین
کی اردو تصانیف
کی مفصل فہرست
پتہ ذیل سے طلب
فرمائیے
انقلاب قسطنطنیہ
محاصرہ پیرس